پندرہ روزہ
تعمیر حیات لکھنو
شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء

جلد (۱) | ۷ رجب ۱۳۸۳ھ - ۲۵ نومبر ۱۹۶۳ء | شمارہ (۲)

اس شمارے میں

۱. حقائق اور تخیلات ... ... ایڈیٹر
۲. جاتے ہیں کب سوئے حرم دیکھئے ... ... زائر حرم حمید صدیقی
۳. قرآن کا پیام ... ... مولانا محمد اویس ندوی
۴. کلام خیر الانام ... ... مولانا محمد اسحاق ندوی
۵. تاریخ کے دریچے سے ... ... مولانا ابو العرفان ندوی
۶. مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادی ... ... سید محمد ثانی حسنی
۷. ایک قلب دردمند اور ایک فکر ارجمند (نظم) ... ... "
۸. نصاب تعلیم پر مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی ایک تاریخی تقریر ... ...
۹. ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی ... ...
۱۰. تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ ... ... محمد یونس نگرامی
۱۱. فقہی مسائل ... ... مولانا محمد ظہور ندوی
۱۲. دس لاکھ شہیدوں کا ملک - الجزائر ... ... سید الرحمن الاعظمی
۱۳. عمان کی ایک غیر معروف ریاست ... ... انوار الحسن ندوی
۱۴. عالم اسلام اور فکری غلامی ... ... مولوی عبد الحمید رنگونی
۱۵. سیرالیون - ایک تعارف ... ... محمد نثار الحق ندوی
۱۶. یورپ کی "کتاب النجلا" ... ... محمد اسلم خان
۱۷. سائنس کی دنیا ... ... وجیہ سمان - ترجمہ سید ضیاء الحسن ندوی
۱۸. منطق اور طوفان ... ...

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حقائق اور تخیلات

محمد الحسنی

حقائق اور تخیلات دو ایسی چیزیں ہیں جن سے ہر شخص کو واسطہ پڑتا ہے۔ اکثر و بیشتر چیزیں، تحقیقات اور تہذیبی عوامل و مظاہر جو ہمارے سامنے آتے ہیں وہ دو رخ رکھتے ہیں لیکن نظام تعلیم میں یہ اختلاف اور کشمکش جس قدر نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے اور اپنے اندر جو نزاکت اور اہمیت رکھتی ہے وہ کسی اور شعبہ میں نہیں رکھتی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ نظام تعلیم انسانی زندگی کا رخ اور سمت متعین کرتا ہے اور قدم قدم پر اس کی رہنمائی و نگرانی اور اس کی تنبیہ و احتساب کا فرض انجام دیتا ہے۔ اس کی تشکیل و ترتیب میں ادنیٰ سی لغزش اور چوک بعض اوقات برسوں نہیں بلکہ صدیوں تک، افراد نہیں بلکہ قوموں تک پر اثر انداز ہوتی ہے اور عرصہ دراز تک ان کو اپنے محدود و معروف دائرہ اور جانے پہچانے خول سے باہر نہیں آنے دیتی اور مرور زمانہ کے ساتھ یہ اقوام نہ صرف یہ کہ اس پر قانع اور مطمئن ہو جاتی ہیں بلکہ روشنی و حرارت کی کوئی کرن جو اس خول کے باہر ان کو نظر آتی ہے وہ ان کی آنکھوں کے لیے ناگوار ہوتی ہے اور وہ اس کا خوش دلی سے استقبال نہیں کرتیں۔

یہ دراصل حقائق و تخیلات کی وہ کشمکش ہے جو پوری انسانی زندگی پر محیط ہے اس کا کوئی شعبہ اور کوئی پہلو اس سے خالی نہیں، گھریلو معاملات سے لیکر سوسائٹی کی فضا اور بین الاقوامی معاملات تک کسی نہ کسی شکل میں یہ کشمکش ضرور برپا ہے، حقیقت اور تخیل یا حقیقت اور فریب کی اسی اچھی بری کشمکش پر زندگی کے سود و زیاں اور کامیابی و ناکامی کا انحصار اور اس کی شادابی اور بقاء و ترقی کا دار و مدار ہے۔

حقیقت پسندی صرف اس لیے اچھی نہیں کہ وہ ہماری اس دنیا کے لیے ضروری ہے جہاں نفع و نقصان کی ترازو پر ہر عمل تولا جاتا ہے اور جہاں اغراض و مفادات کی حکمرانی ہے، بلکہ وہ اس لیے ضروری ہے کہ اس سے ہماری رسائی اس سب سے بڑی حقیقت کی طرف ہوتی ہے جس کو آخرت کہتے ہیں اور جس کے لیے اسلام کا اعلان اور شعار یہ ہے "اللھم لا عیش الا عیش الآخرۃ" زندگی تو درحقیقت آخرت کی زندگی ہے اس لیے حقیقت پسندی ہمارے دین اور دنیا دونوں کے لیے ضروری ہے اور جس طرح اسلام دین و دنیا کی تفریق کا قائل نہیں اور دونوں کو علیحدہ یونٹ (UNIT) ماننے پر تیار نہیں اسی طرح وہ حقیقت پسندی کو بھی کسی خاص شعبہ کے ساتھ وابستہ اور کسی خاص طبقہ کے ساتھ مخصوص کرنے پر آمادہ نہیں۔

اس بات کو سمجھ لینے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ہمارے نصاب تعلیم میں وہ کیا خامی یا کمی ہے جس کے ازالے کے لیے حقیقت پسندی سے کام لینے کی ضرورت ہے؟ جواب صاف ہے، تعلیم و دعوت کے میدان میں نصف صدی سے زائد کے مسلسل تجربہ نے یہ بات اچھی طرح واضح کر دی ہے کہ نظام تعلیم کو ہماری عملی ضرورتوں اور نئے تقاضوں کا پابند ہونا چاہیے وہ زندگی کے دھارے اور واقعات کے اشارے سے علیحدہ اور بے پرواہ ہو کر موجودہ زندگی پر کوئی دیرپا نقش قائم نہیں کر سکتا جس کے نقش کے سامنے سپر ڈالنے پر مجبور ہو سکتا ہے اپنا چہرہ چھپا کر اس کو محفوظ رکھنا تو درکنار ہم اپنے سارے جوڑ توڑ ان جانے خطرہ کے رحم و کرم پر چھوڑ رہے ہیں، بے خوف نگاہوں اور کھلی ہوئی پیشانی کے ساتھ خطرہ کا سامنا کرنے اور اس کی تمام تلخیوں اور ناگواریوں کو صبر و ضبط اور بے خوفی و عالی ظرفی کے ساتھ جھیلنے کی ضرورت ہے۔

Regd No L- 1981 Phone No 22948

TAMEER-E-HAYAT

DARULULOOM NADWATULULAMA LUCKNOW (INDIA)

نورانی تیل
درد، زخم، چوٹ، ورم کی بہترین دوا
انڈین کیمیکل کمپنی، مئوناتھ بھنجن، یوپی

مکتبۂ دار العلوم کی دوسری مطبوعات

جزیرۃ العرب
از مولانا محمد رابع ندوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء
جزیرۃ العرب کی یہ پہلی کتاب ہے جس میں سیرت، تاریخ و ادب عربی کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے اس کی وجہ تو کسی جگہ کی جغرافیائی اہمیت کیساتھ اس کی دینی اور ادبی اہمیت بھی نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ اس سلسلہ میں قدیم و جدید دونوں ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے، اہم مقامات کے قدیم ناموں کیساتھ جدید نام بھی بتائے گئے ہیں اور جا بجا نقشے بھی دیے گئے ہیں، اس کا تذکرہ عالم عربی کے اخبارات نے اچھے الفاظ میں کیا ہے، دار العلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں بھی داخل ہے، اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب۔ قیمت ۵ روپیہ

تذکرہ
حضرت مولانا فضل رحمن گنج مرادآبادی
از مولانا ابو الحسن علی حسنی ندوی
چودھویں صدی ہجری کے مشہور و مقبول بزرگ و عالم، اویس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمن گنج مرادآبادی کی سوانح حیات، حالات، ارشادات و ملفوظات، جو دل پر اثر کیے بغیر نہیں رہتے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ تصوف، شریعت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں بلکہ عین شریعت کی روح ہے، وہ حضرات جو درد و محبت کے جویا اور یقین کے طالب ہیں ان کیلئے یہ کتاب بیش قیمت تحفہ ہے۔
قیمت عہ

دہلی اور اسکے اطراف
از مولانا حکیم سید عبد الحی رح
سابق ناظم ندوۃ العلماء
یہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا ایک سفرنامہ اور روزنامچہ ہے جو انیسویں صدی کے اخیر میں لکھا گیا تھا اس سفرنامے سے اندازہ ہوگا کہ گذشتہ صدی کے علماء کس ثقافت اور علم کے حامل تھے اور ان کا مطالعہ کتنا وسیع، عمیق اور پختہ تھا، آپ کو اس سفرنامہ میں شعر و سخن کا ذوق سلیم، گہری تاریخی واقفیت، سلاسل تصوف اور انکی شاخوں اور قسموں پر اطلاع، متقدمین کی تصنیفات اور کتابوں سے آگاہی اور ان کے مسلک اور عہد کے نشانات جا بجا ملیں گے۔ قیمت مجلد ۲ روپیہ

ESTD. 1903
قدرتی تیل
جوڑوں کے درد، زخم، چوٹ، موچ، کٹنے، جلنے میں مفید ہے
کارخانہ دار الصحت مئوناتھ بھنجن یوپی

Cover Printed at Nadwa Pre[ss] LUC[KNOW]

ہو گا کہ نظامِ تعلیم نے ہماری نئی نسل کو دو بالکل علیحدہ سمتوں پر ڈال دیا ہے۔ مسلمانوں کا ذہین بیدار مغز اور حوصلہ مند طبقہ جس کو اخواہ مادی ہی دائرہ کے اندر اپنے مستقبل اور نئی دنیا میں معزز و وقیع جگہ حاصل کرنے کی فکر اور امنگ ہے ایک ایسے راستہ پر پڑ چکا ہے جس میں اس کو ان تمناؤں آرزوؤں اور مقاصد کی تکمیل ہوتی نظر آتی ہے مسلمانوں کا باقی ماندہ طبقہ جس کے اندر دین کی اہمیت کا احساس ہے اور چاروں طرف سے آنکھ بند کر کے اپنے لیے دوسرے راستہ کو ترجیح دینے کا فیصلہ کر چکا ہے وہ اپنے بچوں کو دینی مدارس کے حوالے کر کے مطمئن ہو جاتا ہے اور اس کو اس سے دلچسپی نہیں ہوتی کہ یہ مدارس اسلامی زندگی کی تعمیر اور لادینیت و مغربیت کے سیلاب کے لیے پشتہ کا کام کر سکتے ہیں یا نہیں اس پر حملہ آور ہونے اور شکست دینے کی منزل تو بعد کی ہے۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے اور اس کی ذمہ دار ہمارے نظامِ تعلیم کی وہ دوئی اور ثنویت ہے جو آج پورے عالم اسلام میں ایک مسلّم حقیقت بن چکی ہے اور کوئی اپنے اندر اس لکیر سے ہٹ کر سوچنے اور ایک درمیانی اور جامع راستہ اختیار کرنے کی صلاحیت نہیں پاتا جو کسی دائرہ میں بھی اسلامی عہدِ اقتدار و سیادت و عہدِ حکومت نہیں اگے ہے ایک بار اس طلسم کو توڑ دے اور ایک ایسے نظامِ تعلیم کی بنیاد رکھے جو مسلمانوں کی دینی و دنیاوی دونوں ضرورتیں کو بیک وقت پورا اور مہیا کر سکتا ہو۔ یعنی ایسے علما اور ایسے افراد تیار کرے جو جدید تعلیم کے شعبے میں موجودہ سطح اور معیار سے کم نہ ہوں نہ دینی علوم میں وہ دستگاہ رکھتے ہوں جو نہ صرف ان کے ایمان کو محفوظ رکھ سکے بلکہ وہ جس جگہ جس منصب اور جس پوزیشن پر ہوں اپنے قول و عمل سے اس کے داعی بن کر رہیں ان کا سر جھکا ہوا اور نگاہیں نیچی نہ ہوں ان کو معاصر علوم میں اپنی بے مائیگی اور بے بضاعتی کا احساس ہر وقت ستاتا نہ ہو۔ وہ اس جدید دنیا میں نئے مسائل اور نئے علم اور نئی زبانوں سے عدم واقفیت کی وجہ سے قدم قدم پر اور ہر کس و ناکس کے سامنے اپنے جہل کے اضطراری اظہار پر مجبور نہ ہوں اور غیروں کے دست نگر بن کر نہ رہیں بلکہ وہ ان شعبوں میں جو غلطی سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کیساتھ مخصوص سمجھ لیے گئے ہیں ان کے ہمسر ہوں، اور علوم نبوت کی روشنی کی وجہ سے ان کے رہبر ہوں، یہ وہ صحیح پوزیشن ہے، جو ہمارے علما کو اس جدید دنیا میں حاصل ہونی چاہئے اور جس کے نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے مدارس ایسی نفسیاتی، تاریخی اور ذہنی الجھنوں کا شکار ہیں جس نے انکو مفلوج اور بے تاب کر رکھا ہے۔

اس طرز کے علما پیدا کرنے کے لیے اور اس نئی نسل کی تحصیل کے لیے لازمی طور پر مدارس دینیہ کے مروجہ نصاب میں انقلاب عظیم برپا کرنا ہوگا خوش قسمتی سے ندوۃ العلماء نے جو ستر ۷۰ سال سے اس بات کا داعی ہے منزل کا ایک بڑا فاصلہ اور مرحلہ طے کر لیا ہے لیکن اس کے باوجود بھی اس میں اہم ترین تغیرات کی ضرورت ہے یہ تغیرات اس بنیاد اور اس شکل پر ہونے چاہئیں کہ نصابِ تعلیم کے اس حصے کو سوا جس کا ایک خاص تقدس یا کلاسیکل حیثیت ہے باقی دوسرے حصے میں اس طرح تغیر اور ترمیم کی جائے کہ کم وقت اور کم محنت کے ساتھ زیادہ فائدہ حاصل ہو سکے۔ بعض ضروری اور اہم مضامین مثلاً انگریزی، سائنس، جغرافیہ اور تاریخ ابتدائے نصاب سے اس طرح شامل کئے جائیں کہ عالمیت اور فضیلت تک پہونچکر طالب علم میں گریجویٹ کی قابلیت پیدا ہو سکے اور جس طرح وہ تدریجی طور پر علوم دینیہ حاصل کرتا ہے اسی طرح تدریجی طور پر وہ ان علوم کو بھی حاصل کر سکے اصحاح ستہ اور کتب فقہ کے طرز تدریس میں بھی تغیر کی ضرورت ہے اور مولانا محمد یوسف صاحب امیر جماعت تبلیغ کے بقول اخلاقی مسائل سے زیادہ اس کے اس پہلو پر زور دینے کی ضرورت ہے جس سے ایمان میں پختگی اخلاق میں درستگی اور داعیانہ جذبہ پیدا ہو۔"

نیز حدیث و فقہ کے نصاب میں زیادہ زور ان چیزوں پر دیا جائے جس سے نئے مدنی و معاشرتی مسائل پر روشنی پڑتی ہو اور ایک عالم و داعی کو اس سے ہر وقت رہنمائی مل سکے اور اس میں اس طرز پر سوچنے اور داعیانہ جذبہ کے ساتھ مسائل کے استنباط کرنے کی صلاحیت اور عادت پیدا ہو۔

ندوۃ العلماء کے پیش نظر اس سلسلے میں ایک اہم خاکہ بھی ہے جس کی نشان دہی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی اس اہم تقریر میں کی گئی ہے جو اس اشاعت میں شامل ہے لیکن اس خاکہ کی آخری اور عملی ترتیب اور اس میں رنگ بھرنے کا کام ابھی باقی ہے، یہ اہم اور تاریخی کام نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام کے لیے حد درجہ اہمیت رکھتا ہے اور یہ وہ جرات مندانہ قدم ہے جس کی ہمت مغربی عہد اقتدار و سیاست کے بعد اس پیمانہ اور ان واضح خطوط پر شاید صرف ندوۃ العلماء نے کی ہے اپنی دعوت اور ستر سالہ تاریخ اور اپنے کردار و شہرت اپنے مخصوص نصب العین اور تخیل کی وجہ سے ندوۃ العلماء اس اہم کام کے لیے موزوں ترین جگہ ہے اور شاید یہ وقت بھی جس سے آج ندوہ گذر رہا ہے۔ اس کے آغاز کے لیے مناسب ترین اور موزوں ترین وقت ہے۔

والتوفیق بید اللہ

آہ! مولانا محفوظ الرحمن نامی!!

۱۷ نومبر ۱۹۶۳ء کو ایک طویل علالت کے بعد آخر کار مولانا محفوظ الرحمن نامی سابق ناظم مدرسہ نور العلوم بہرائچ اور سابق پارلیمنٹری سکریٹری ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہو گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم ادھر پانچ چھ سال کے عرصے سے فالج کا شکار ہو کر بالکل معذور ہو گئے تھے اور اس وقت سے اب تک برابر اچھے سے اچھا علاج کرنے کے باوجود بھی شفایاب نہ ہو سکے۔

وفات کے وقت مرحوم کی عمر ۵۴ سال سے زیادہ نہ تھی۔

۱۵-۱۶ سال کے عرصے سے انھوں نے تعلیم قرآن کے سلسلے میں جو خدمات انجام دیں اور تالیف و تدریس اور تقریر و وعظ کی راہ سے انھوں نے قرآن کی تعلیم اور اس کو سمجھ کر پڑھنے کا جو جذبہ پیدا کیا وہ ان کی تاریخ حیات کا ایک مستقل اور درخشاں باب ہے اور اللہ سے امید ہے کہ اس نے اس کام کو قبول فرما کر مرحوم کے لیے اس کی بہترین جزا مقرر فرمائی ہو گی اور ان کی اس طویل علالت کو ان کی تمام خطاؤں کی مغفرت کا سبب بنایا ہوگا

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

لکھنؤ کا تبلیغی اجتماع

لکھنؤ کا تبلیغی اجتماع ۹-۱۰-۱۱ نومبر ۱۹۶۳ء کو دار العلوم کے وسیع سبزہ زار پر منعقد ہوا، اور اپنے مقررہ وقت پر کامیابی کے ساتھ ختم ہو گیا۔ اجتماع کے تینوں دن ایمان افروز اور روح پرور فضاؤں میں گذرے، ذکر و تسبیح اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ ہمہ وقت جاری رہا۔

اجتماع کے پہلے دن، شام کو مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر الفرقان نے تقریر کی، دوسرے دن شام کو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب امیر جماعت تبلیغ نے تقریر فرمائی۔

لکھنؤ سے باہر کے آنے والے حضرات کا تخمینہ ایک اندازے کے مطابق ۱۴ ہزار سے زائد بتایا جاتا ہے، اور خصوصیت سے دوسرے دن کے اجتماع میں شرکت کرنے والے حضرت کی تعداد کا اندازہ پچاس سے ساٹھ ہزار تک ہے۔

۱۱ نومبر اجتماع کا آخری دن تھا، اس دن جماعتوں میں نکلنے والے حضرات کے سامنے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے ایک مخصوص الوداعی تقریر کی جس میں ان کو نکلنے کا مقصد جماعت میں قیام کے دوران اور اس کے بعد کے آداب و فضائل پر روشنی ڈالی اور دعا فرمائی۔

مختلف جماعتوں میں نکلنے والے حضرات کی تعداد ۹۰۰ تھی، یہ لوگ مختلف علاقوں میں کام کرنے کے بعد دسمبر میں ہونے والے بھوپال کے اجتماع میں شریک ہوں گے۔ متعدد حضرات نے پوری زندگی کا چلّہ بھی دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان مساعی کو قبول فرما کر امت مسلمہ کو فلاح و کامیابی نصیب فرمائیں۔

برائے "تعمیر حیات"

جاتے ہیں کب سوئے حرم دیکھئے

: از زائرِ حرم: حمید صدیقی لکھنوی :

منتظرِ لطف ہیں ہم دیکھئے جاتے ہیں کب سوئے حرم دیکھئے
ختم ہو کب تک شبِ غم دیکھئے دیکھیں گے کب صبحِ حرم دیکھئے
دیدنی ہے حسنِ حرم دیکھئے ہوتا ہے کس کس پہ کرم دیکھئے
کس کے لئے لائے نسیمِ سحر مژدۂ دیدارِ حرم دیکھئے
ذرۂ ناچیز کی ہستی ہی کیا مہرِ منوّر کا کرم دیکھئے
ساتھ لیے بے سر و سامانیاں ہم بھی ہیں مشتاقِ حرم دیکھئے
عمر میں اک بار کم از کم ضرور بارگہِ شاہِ اُمم دیکھئے
آرزوئے خلدِ جناں تا کجے جا کے ذرا خلدِ حرم دیکھئے
پہلے تو بنئے ہمہ تن سوز و درد پھر اثرِ گریۂ غم دیکھئے
دیکھئے جی بھر کے درِ پاک کو اور بہ آدابِ اتم دیکھئے
دیدۂ بینا ہو تو ہر ذرّے میں جلوہ نما نورِ قدم دیکھئے
دیکھنا ہو روضۂ اطہر اگر دور سے با دیدۂ نم دیکھئے
رابطۂ شوقِ نگاہ و جمال گنبدِ خضرا پہ بہم دیکھئے
شرطِ ادب ہے کہ درِ پاک کو ہٹ کے ذرا چند قدم دیکھئے
قبّۂ پُر نور کو بس بار بار سدرہ و طوبیٰ کی قسم دیکھئے
مجھ سا حقیر اور دیارِ حرم رحمتِ عالم کا کرم دیکھئے
دیکھ چکا ہو جو دیارِ حبیبؐ! اس کو بھی سر تا بہ قدم دیکھئے

کوئی بھی عالم ہو مگر اے حمید
شوق مدینہ نہ ہو کم دیکھئے

از مولانا عتیق احمد صاحب بستوی شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء

قرآن کا پیام

وقال انما اتخذتم من دون الله اوثانا مودة بينكم في الحيوة الدنيا

(عنکبوت ۳)

قرآن مجید نے آیت بالا میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی زبان سے بت پرستی کے اسباب بیان کرتے ہوئے ایسے اہم نکتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن سے موجودہ دور کے بعض فتنوں کے سمجھنے میں پوری رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

اس آیت کی مشہور تفسیر تو یہ ہے کہ دنیا میں بت پرستی کی ایک وجہ یہ ہوئی کہ بعض لوگوں کو محبوب سمجھا گیا ان کو عقیدت کی نگاہ سے دیکھا گیا ان کے سامنے سر تسلیم خم کیا گیا، اور جب اس محبت، عقیدت اور اظہار انقیاد و اطاعت نے حدود سے تجاوز کیا تو اللہ کے ان بندوں کو خدا کا درجہ دے دیا گیا۔ اور اسی چیز نے بت پرستی کی شکل اختیار کرلی۔

اس مشہور تفسیر کے پیش نظر خود ہم مسلمان اپنے بزرگوں اور پیشواؤں کے ساتھ حد سے بڑھی ہوئی تعظیم و تکریم کا جو معاملہ کرتے ہیں وہ بے حد قابل فکر ہے اور جاہل عوام بزرگان دین کے متعلق جو عقیدہ رکھتے ہیں، اس کے تصور سے تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں یہ معاملہ تو مذہبی رنگ کے بزرگوں کے ساتھ جاہل عوام کا ہے لیکن سیاسی اور اقتصادی یا دوسرے اعتبارات سے پڑھے لکھے طبقہ نے بھی جن لوگوں کو اپنا رہبر بنایا ان کے ساتھ بھی حدود سے بڑھی ہوئی تعظیم و تقدیس کا معاملہ کچھ کم نہیں۔ ان ملکی اور سیاسی رہنماؤں کی تصویروں اور مجسموں کو جو عظمت و محبوبیت اس طبقہ میں حاصل ہے اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ اگر جاہل عوام نے اپنے بزرگوں کو خدائی کا مرتبہ دیا تھا تو ان پڑھے لکھے جاہلوں نے ملک و وطن اور ریاست کے نام پر نئے انداز کی بت گری اختیار کی اور ان تازہ خداؤں کے سامنے خدائے حقیقی کو بھلا بیٹھے۔

اس مشہور تشریح کے سوا دوسری توجیہ یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے بت پرستی اختیار کی، بتوں کے سامنے ان سر جھکانے والوں سے جو لوگ خاص تعلق رکھتے تھے، انھوں نے بھی محض اپنی محبت اور تعلق کو ظاہر کرنے کے لیے بت پرستی اختیار کرلی، ان کو حق اور ناحق سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ درست اور نادرست سے کوئی تعلق نہ تھا، صرف خاطر احباب مقصود تھی۔ دوستی کا حق ادا کرنا تھا اور باہمی رشتہ محبت کو استوار کرنا تھا!

آیت بالا کی اس توجیہ کی روشنی میں ہم کو اپنی زندگی کا احتساب کرنا چاہیے صبح سے لیکر شام تک اور شام سے لیکر صبح تک ہم اپنے کو محض اس لیے کتنے غلط کام کرنے پر مجبور پاتے ہیں کہ عزیز و اقارب کا ساتھ دینا

علامہ محمود آلوسی نے روح المعانی ج ۲۰ ص ۱۴۴ میں یہ اشارات دیکھے جاسکتے ہیں۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ تم نے تو دنیا کے اپنے باہمی تعلقات کی بنا پر اللہ کو چھوڑ کر بت تجویز کر رکھے ہیں

ہے، احباب سے تعلق قائم رکھنا ہے، رسم و رواج کا تقاضا ہے، معاشرہ اور سوسائٹی کے آداب ملحوظ خاطر ہیں، تہذیب و تمدن کا پاس ہے، اپنی جماعت کے وقار کا سوال ہے، پارٹی سے وفاداری کا معاملہ ہے۔

غرض ہماری فکر، اور ہمارے کردار کی بنیاد کا معیار کسی چیز کا حق یا ناحق ہونا، درست یا نادرست ہونا نہیں ہے بلکہ معاملہ صحیح ہو یا غلط، ہم کو اپنی پارٹی کا اپنے معاشرے کا اور اپنے احباب کا لحاظ کرنا ہے اگر اگلے لوگوں نے دوستی نباہنے کے لیے بتوں کے سامنے سر جھکا دیا تو ہم نے بھی دین برحق کو چھوڑ دیا، اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ توڑ تا کنبہ اور برادری کے سامنے، مجمع احباب کے سامنے، رسم و رواج کے سامنے، سوسائٹی کے سامنے، خود ساختہ تہذیب کے سامنے اور پارٹی کے وقار کے سامنے سر جھکا دیا، قرآن مجید کی آیت بالا کی یہ تشریح ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا اس خاص نقطہ نظر سے احتساب کریں اور پھر دیکھیں کہ ہماری زندگیوں کا کتنا حصہ طریق مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ہے اور کتنا رسم الوہیت پر؟

آیت بالا کی تیسری تشریح کا حاصل یہ ہے کہ اس دنیا میں انسانوں کو اپنی اجتماعی زندگی بسر کرنے کے لیے کسی رشتہ اتحاد کی ضرورت ہوتی ہے جس پر سب کو جمع کیا جاسکے اور ایک دوسرے کا تعاون حاصل کیا جاسکے، اگلے لوگوں نے اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے بتوں کو تجویز کیا، یہ بت ان کے لیے باہمی تعاون و اشتراک کا ذریعہ بن گئے تھے۔

اس تشریح کو سامنے رکھ کر غور کیجئے کہ آج بھی دنیا، اتحاد کی بھوکی ہے، مگر افسوس کہ اس کو صحیح رشتہ اتحاد نہیں ملتا ہے۔ اگر اگلوں نے بتوں کو باہمی محبت اور تعلق قائم کرنے کا ذریعہ بنایا تھا تو آج کے مدعیان عقل و دانش نے اس زمانہ کے اعتبار سے نئے بت تراشے ہیں، اور ان کو رشتہ اتحاد بنانا چاہا ہے۔ وطنیت کا بت، قومیت کا بت، رنگ و نسل کا بت، زبان کا بت، تہذیب کا بت

یہ ہیں اس عہد کے اصنام خود تراشیدہ!

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنی انسانی مخلوق ان بتوں پر قربان کردی گئی، اور کتنی صداقتیں ان پر نثار کردی گئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ صحیح رشتہ اتحاد صرف صحیح عقیدہ اور صحیح عمل ہی ہوسکتا ہے اور فکر و نظر کی سلامتی کردار کی خوبی کسی ملک کسی قوم کسی رنگ و نسل اور کسی زبان کی ملکیت نہیں قرار دی جاسکتی ہے مشرق و مغرب شمال و جنوب جہاں بھی سچائی پائی جائے گی اس کو سچا کہا جائے گا، اور جہاں برائی ہوگی اسکو برا کہا جائے گا۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے زمانہ میں جو بت شکنی فرمائی تھی، قرآن مجید نے ہم کو وہ واقعہ سنایا ہے۔ مگر آیت بالا کے ذریعہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا جو نوحہ حق ہم تک پہونچا ہے وہ اس عہد کے بت گروں کے لیے ایک بڑی تنبیہ ہے، ان کو غور کرنا چاہیے کہ عہد حاضر کے ان بتوں نے کتنے نئے بتوں کے لیے راستہ ہموار کردیا ہے اور دنیا کو کسقدر دردناک حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

وطنیت کی عصبیت نے صوبوں کی عصبیت، صوبوں کی عصبیت نے شہروں اور قصبوں کی عصبیت پیدا کی، رنگ و نسل کی عصبیت نے ایک ہی ملک، ایک ہی صوبہ اور ایک ہی شہر میں ذات پات کی کتنی تفریقیں پیدا کردیں۔ زبان کے مسئلہ نے ایک ہی ملک کو کتنے حصوں میں تقسیم کرانے کا اشارہ دیا۔

مختصر یہ کہ انسان نے صرف اپنی عقل و فہم پر بھروسہ کرکے جس چیز کو رشتہ اتحاد بنانا چاہا وہی چیز صدہا تفرقوں اور تقسیموں کے نتیجہ میں بربادیوں کا باعث بنی! اور اس صورت حال نے اہل ایمان پر واضح کردیا کہ بے شبہ صحیح رشتہ اتحاد صرف وہ صحیح عقیدہ اور صحیح عمل ہے جس کے متعلق قرآن مجید نے ارشاد فرمایا۔

واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا

بقیہ ص (۱۱) سے آگے!

اور اس نے عبارت پڑھنی شروع کردی اور درس شروع ہوگیا جب تک درس ہوتا رہا، ہارون رشید اور اسکے دونوں ولی عہد انتہائی خاموشی اور سکون کے ساتھ ایک سعادتمند شاگرد کی طرح درس سنتے رہے اور درس ختم ہونیکے بعد امام مالکؒ اپنے دولت خانہ اور ہارون رشید اپنے فرزندان اور خدم و حشم کے ساتھ اپنی قیام گاہ تشریف لے گیا۔

سلاطین و امراء کے ساتھ یہی معاملہ تھا جس کی وجہ سے اہل دین اور اہل علم ہمیشہ معزز اور محترم اور مطلوب رہے، خود انھیں امام مالکؒ کا ایک قصہ ہارون کے باپ خلیفہ مہدی کے ساتھ پیش آیا کہ ایک سال خلیفہ مہدی حج و زیارت کی تقریب سے مدینہ منورہ آیا تھا۔ اس سال مدینہ میں قحط پڑا تھا اور عام آبادی اس قحط کیوجہ سے بہت پریشان تھی امام مالکؒ نے یہ خیال فرمایا کہ اس وقت خلیفہ مہدی سے سفارش کرکے پریشان حال اور فاقہ زدہ حضرات کی مدد کرنی چاہیے چنانچہ خلیفہ مہدی کی قیام گاہ پر امام مالکؒ تشریف لے گئے مجلس حسب معمول اعیان و اشراف سے بھری ہوئی تھی اور بیٹھنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ امام مالکؒ جس نیک مقصد سے تشریف لے گئے تھے اس کا تقاضہ تھا کہ وہ خلیفہ سے گفتگو کرہی کر واپس آئیں۔ اس لیے آپ نے بلند آواز سے خلیفہ کو مخاطب کرکے فرمایا، "امیرالمومنین آپ کا بھائی مالک کہاں بیٹھے" مہدی نے یہ سنتے ہی اپنی مخصوص نشست پر ان کو بٹھا لیا اور امام مالکؒ مہدی سے مل کر بیٹھ گئے۔

کلام خیر الانام

مولانا محمد اسحاق ندوی

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ، قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بارزا یوما للناس فاتاہ رجل فقال ما الایمان (الخ)

(ترجمہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے انھوں نے فرمایا کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر صحابہ کرام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے دریافت کیا کہ ایمان کیا چیز ہے آنحضورؐ نے فرمایا ایمان کے معنی یہ ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ، ان کے فرشتوں، ان کے سامنے حاضر ہونے، اور ان کے رسولوں پر یقین رکھو اس کے ساتھ قیامت کا یقین کرو۔ پھر ان صاحب نے پوچھا کہ اسلام کیا چیز ہے؟ آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا، اسلام کی حیثیت یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور ان کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو نماز قائم کرو۔ فرض زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔ ان صاحب نے پھر پوچھا کہ احسان کے کیا معنی ہیں؟ آنحضورؐ نے جواب دیا، احسان کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم انھیں دیکھ رہے ہو۔ اگرچہ تم انھیں نہیں دیکھتے ہو مگر وہ تو تمھیں دیکھ رہے ہیں۔ ان صاحب نے پھر سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی۔ آنحضورؐ نے فرمایا کہ جس سے سوال کر رہے ہو (یعنی میں) وہ بھی اس معاملہ میں سائل سے (یعنی تم سے) زیادہ واقف نہیں ہے۔ البتہ اس کی علامتیں میں تمھیں بتاتا ہوں (یعنی قیامت کا وقت کہ کب آئے گی مجھے بھی معلوم نہیں مگر اس کی علامتیں بتا سکتا ہوں وہ علامتیں یہ ہیں) جب باندی اپنے آقا کو جنے گی (یعنی اس کا بیٹا اس کا آقا ہوگا) دوسری علامت یہ ہے کہ اونٹ چرانے والے اونچی اونچی عمارتیں بنانے لگیں گے (رہا قیامت کے وقت کا مسئلہ تو ان پانچ چیزوں میں سے ہے جنھیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا پھر حضورؐ نے آیت تلاوت فرمائی ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ (قیامت کے وقت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے) (اس آیت میں ان پانچ چیزوں کا ذکر ہے جنھیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا) ان میں سے قیامت کا وقت بھی ہے) اس کے بعد وہ سائل واپس چلے گئے جب وہ مجلس سے باہر نکل گئے تو آنحضورؐ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ انھیں بلا لاؤ لیکن جب دیکھا گیا تو باہر کہیں نظر نہیں آئے۔ آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ سائل (حضرت) جبرئیل (علیہ السلام) تھے۔ لوگوں کو دین کی تعلیم دینے کی غرض سے سوالات کرنے آئے تھے۔

(تشریح)

یہ حدیث حدیث جبرئیل (علیہ السلام) کے لقب سے مشہور ہے اور بہت ہی اہم تعلیمات پر مشتمل ہے اس میں تین چیزوں کی حقیقت بیان فرمائی ہے ہے۔ ایمان۔ اسلام اور احسان۔ ان تینوں میں باہم بہت ہی قوی ربط اور تعلق ہے اور اس کے ساتھ اہمیت کے لحاظ سے ان کی ایک خاص ترتیب بھی ہے۔ سب سے اہم ایمان ہے۔ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کے یہاں نہ اسلام کی کوئی قیمت ہے نہ احسان کی۔ اس کے بعد اسلام ہے۔ ایمان کا وجود تو بغیر اس کے بھی ہوسکتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص ایمان تو رکھتا ہو مگر نماز روزے کا پابند نہ ہو بلکہ بد اعمال اور گنہگار ہو ایسے شخص کو فاسق تو کہا جائے گا لیکن کافر نہیں کہہ سکتے بلکہ مومن ہی کہیں گے۔ لیکن اسلام کے بغیر احسان کا کوئی اعتبار نہیں ہے مثلاً کوئی شخص اسلامی طریق عبادت کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرے تو اس کا کوئی اعتبار اللہ تعالیٰ کے یہاں نہ ہوگا اور اس کی عبادت ہرگز قبول نہ ہوگی خواہ کتنے ہی احسان کے ساتھ کیوں نہ ادا کی جائے۔

اس کے برعکس اگر ایمان و اسلام موجود ہو اور احسان مفقود تو اسکا اثر اسلام پر پڑتا ہے یعنی عبادات قبول نہیں ہوتیں۔

(باقی)

تاریخ کے دریچے سے

مولانا ابوالعرفان ندوی

خلفاء، و سلاطین اور امراء کے ساتھ ہمارے اسلاف اور بزرگان دین کے تعلق کی نوعیت کے بہت سے قصے تاریخ کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ علماء اور اہل اسلام نے ہمیشہ اصحاب دنیا کے ساتھ خودداری اور اپنے علم و تقوی کے وقار کا لحاظ کرتے ہوئے معاملہ کیا ہے، بڑے بڑے صاحب جبروت سلاطین کے سامنے بھی انھوں نے وہی بات کی اور کہی جو عام حالات میں وہ کیا کرتے تھے اس سلسلے میں امام مالکؒ کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے جو ہدیۂ ناظرین کیا جارہا ہے۔

عباسی خلفاء و سلاطین میں ہارون رشید کا نام بہت مشہور ہے ممتاز ہے اور سچ تو یہ ہے کہ بہت سی حیثیتوں سے اس کا عہد سلطنت عباسی سلطنت کا نقطۂ عروج تھا، نظم مملکت رفاہیت و فارغ البالی اور رومیوں سے کامیاب آویزش میں اس کا ہمسر کوئی نہیں علماء و فضلاء فقہاء اور دوسرے باکمالوں کی کمی نہیں تھی یہی ہارون رشید ایک سال حج و زیارت کی تقریب سے مدینہ منورہ جاتا ہے اور اس کے ساتھ اس کے دو محبوب فرزند امین و مامون بھی ہیں اور یہ دونوں فرزند وہ ہیں جن کو بعد میں ہارون رشید نے اپنا ولی عہد بنایا۔

مدینہ منورہ میں امام مالکؒ کی بساط درس بچھی ہوئی ہے اور عالم اسلام کے ہر گوشہ سے آئے ہوئے طلبہ ان سے استفادہ کے لیے مدینہ منورہ میں مقیم ہیں امام مالک کے علم و اجتہاد کی شہرت سارے عالم اسلام میں پھیلی ہوئی ہے اور ان کی ذات گرامی اسی حدیث و افتاء میں متفق علیہ ہے ہارون رشید کی خواہش ہے کہ اس کے دونوں ولی عہد کو امام مالکؒ درس حدیث دیں تاکہ ان کا سلسلۂ سند مستند اور قابل اعتماد ہوجائے اور ساتھ ہی حصول مقصد بھی مقصد تھا، خلیفہ کا قاصد امام مالک کے دربار میں حاضر ہوتا ہے اور خلیفہ کی طرف سے خواہش ظاہر کرتا ہے کہ جناب والا دربار خلافت تشریف لے چلیں اور امین و مامون کو حدیث شریف کا درس دے دیں، امام مالکؒ حدیث شریف کی یہ بے وقعتی کیسے گوارا فرماسکتے تھے، طالب علمی کے زمانے میں خود ان کا یہ حال تھا کہ بعض محدثین سے انھوں نے حدیثیں اس لیے نہیں لیں کہ جب ان کی مجلس درس میں تشریف لے گئے تو مجلس بھر چکی تھی اور بیٹھنے کی کوئی جگہ نہیں تھی تو یہ کہہ کر واپس تشریف لائے کہ کھڑے ہوکر احادیث رسولؐ کی سماعت آداب کے خلاف ہے، چنانچہ امام دارالہجرت امام مالکؒ نے خلیفہ کے قاصد سے فرمایا کہ امیرالمومنین سے میرا سلام کہہ دینا اور میری طرف سے کہنا کہ یہ علم حدیث تمہارے ہی خاندان سے ہم لوگوں تک پہونچا ہے اس لیے اس کا احترام تم لوگوں کو زیادہ کرنا چاہیے اور اس علم شریف کو اپنے کسی طرز عمل سے رسوا نہ کرنا چاہیے۔ ہارون رشید امام مالکؒ کی بات سمجھ گیا کہ وہ کیا چاہتے ہیں طالب کو مطلوب کے پاس آنا چاہیے نہ کہ مطلوب کو طالب کے اپنے پاس بلائے۔ چنانچہ دوسرے دن ہارون رشید اپنے دونوں ولی عہدوں کے ساتھ لے کر امام مالکؒ کی درس گاہ میں حاضر ہوا اور امام مالکؒ جس فرش پر بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے اس کے ایک حصہ پر بیٹھ گیا چونکہ یہ بات آداب مجلس کے خلاف تھی اس لیے امام مالکؒ نے فرمایا امیرالمومنین تواضع زیادہ پسندیدہ چیز ہے۔ ہارون رشید اس اشارہ کو فوراً سمجھ گیا اور وہاں سے ہٹ کر فرش کے اس حصہ پر بیٹھ گیا جو طلبہ کے لیے تھا۔ اس کے بعد ہارون رشید نے امام مالکؒ سے گزارش کی کہ ہمارے ان دونوں بچوں کو آپ الگ سے پڑھا دیں اور اس کے بعد پھر عام درس شروع فرمائیں۔ امام مالکؒ نے ہارون رشید کی اس درخواست کو بھی رد فرما دیا، آخری درخواست ہارون رشید نے یہ کی کہ خود آپ متن حدیث پڑھ کر سنائیں چونکہ امام مالک کا طریقۂ درس یہ تھا کہ شاگرد عبارت پڑھتا تھا اور امام مالکؒ غلطیوں کی اصلاح فرماتے تھے اور ہر ضروری باتیں بتلانے کی ہوتی تھیں وہ بتادیا کرتے ... تھے اور امام مالکؒ کا یہی طریقۂ درس اب تک عام طور پر رائج ہے اس لیے امام مالکؒ نے ہارون رشید کی اس خواہش اور گزارش کو بھی نہیں تسلیم فرمایا اور سامنے ایک شاگرد کی طرف اشارہ کیا

(بقیہ ص ۱۲)

مولانا محمد ثانی حسنی

مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادیؒ

"ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے"

[حضرت سید احمد شہیدؒ کے جلیل القدر خلیفہ جنھوں نے سید صاحب کے بعد تحریک مجاہدین کے گرتے ہوئے علم کو سنبھالا اور تحریک کو نیا خون بخشا!]

— ۲ —

سید صاحبؒ کی شہادت کے بعد

مولانا حیدرآباد میں ہی تھے کہ بالاکوٹ کا وہ خراش حادثہ پیش آیا اور حضرت سید صاحبؒ و مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اور دوسرے مجاہدین کی شہادت کی روح فرسا خبر ملی۔ اس واقعہ خصوصاً حضرت سید صاحب کی شہادت سے ہونے حلقہ پر انتشار اور پراگندگی چھا گئی اور تحریک جہاد پر ضرب کاری لگی اور لوگوں کے دل ٹوٹ گئے بچے کچھے مجاہدین کی ہمت جواب دینے لگی کچھ لوگ تو یہ خیال کرکے کہ اب جی کر کیا کریں گے آگے بڑھے اور شہادت حاصل کرلی اور کچھ لوگ مایوس ہوکر خانہ نشین ہوگئے لیکن مولانا ولایت علی عظیم آبادی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چل کے اپنے حواس قائم رکھے اور صرف قائم ہی نہیں رکھے بلکہ میدان میں آئے لوگوں کی ہمتوں کو بلند کیا ان کی ڈھارس بندھائی گرتے ہوئے علم کو سنبھالا اور سارا بار اٹھالیا

تنظیم جماعت:۔

اب اس عظیم تحریک کا مرکز محلہ صادق پور پٹنہ قرار پایا جو آگے چل کر قافلہ کے نام سے مشہور ہوا مولانا نے اپنی روحانیت اخلاص، انتھک کوششوں تنظیمی قابلیت اور مسلسل جدوجہد سے مردہ دلوں میں روح پھونکی لوگوں سے از سر نو بیعت لی، بیت المال قائم کیا، مرکزی مساجد میں خطیب اور واعظ مقرر کئے، بنگال اور دوسرے صوبوں میں مبلغین بھیجے۔ قصبات اور دیہاتوں میں اصلاح و ہدایت کا کام شروع کیا، گاؤں گاؤں دورے کیے۔ اگر آپ کو اپنے مرکز پہونچنے میں مہینوں اور برسوں لگ جاتے اس تمام مدت میں سرحد کے مرکز سے تعلق قائم رکھا اور مجاہدین کی اعانت و امداد فرماتے رہے۔

درس و تدریس

اپنے مکان پر قرآن و حدیث کا درس دیتے، دوسرے علماء تفسیر بیان کرتے۔ قرآن مجید اور بلوغ المرام کا لفظی ترجمہ پڑھاتے اس کے ساتھ ساتھ اصلاح باطن اور تزکیۂ نفس، تعلیم سلوک فرماتے رہتے بعد نماز صبح خود لوگوں کو توجہ دیتے، سیکڑوں آدمی اس حلقہ میں شریک ہوتے، بعد نماز ظہر قرآن و حدیث کا درس ہوتا اور آپ کے صاحبزادے مولوی عبداللہ قاری ہوتے

حج و زیارت

دو سال تک آپ ملک کے مختلف حصوں میں تحریک کا کام کرتے رہے اس کے بعد حج و زیارت کی نیت سے مع اہل و عیال حجاز تشریف لے گئے وہاں بھی آپ وعظ و تبلیغ کا کام تندہی اور جانفشانی سے انجام دیتے رہے۔ ہزارہا عرب بیعت سے مشرف ہوئے حج و زیارت کے بعد یمن تشریف لے گئے اور قاضی محمد بن علی الشوکانیؒ سے حدیث کی سند لی اور نجد، عسیر، مسقط، حضرموت ہوتے ہوئے اور کام کرتے ہوئے ہندوستان واپس ہوئے۔

میدان جہاد میں

حج سے واپسی کے بعد مجاہدین سرحد کی فرمائش پر مولانا نے اپنے منجھلے بھائی مولانا عنایت علی کو سرحد بھیجا اور کچھ عرصہ کے بعد خود بھی تشریف لے گئے مولانا کے پہونچنے کے بعد مولانا عنایت علی صاحب نے زمام قیادت مولانا کو سپرد کردی اور خود مع تمام مجاہدین کے مولانا کے ہاتھ پر بیعت امارت کرلی اور ڈیڑھ دو سال تک جہاد میں مشغول رہے اور گلاب سنگھ والی کشمیر سے برسر پیکار رہے۔

غداری

گلاب سنگھ کو جب مجاہدین نے شکست دی اور وہ مجاہدین کے مقابلے کی تاب نہ لاسکا تو اس نے انگریزوں کے سایہ میں پناہ لی اور کچھ اس کا پورا مقبوضہ انگریزوں کی عملداری میں آگیا۔ انگریزوں نے اپنے جاسوسوں کے ذریعہ مقامی باشندوں کو بہکا کر مجاہدین کے ساتھ غداری پر آمادہ کیا مسلمانوں کی بدقسمتی سے رئیس بالاکوٹ جس نے خود مولانا کو بلایا تھا اور مجاہدین کا معاون تھا بدل گیا اور اپنے ان محسنوں سے بے وفائی کرگیا جنھوں نے اپنی امداد و اعانت سے اس کی تمام جائداد کو حریف مقابل سے واپس دلائی تھی ناچار مولانا نے سوات جانا چاہا مگر انگریزی عملداری میں پہونچے تھے کہ ان کا محاصرہ کرلیا گیا اور بجائے سوات جانے کے لاہور جانے پر مجبور کیا گیا۔

واپسی

مولانا لاہور ہوتے ہوئے اپنے وطن واپس تشریف لانے پر مجبور ہوئے کمشنر نے آپ کو مطلع کیا کہ گورنمنٹ کا حکم ہے کہ آپ دونوں بھائیوں سے دس دس سو روپیہ کا مچلکہ دو سال کے لیے لے لیا جائے۔ آپ نے مچلکے داخل کردیئے اس روز پورا شہر آپ کی زیارت کی خاطر کمشنر کی کوٹھی پر ٹوٹ پڑا۔ وہاں سے مکان تشریف لائے اور حسب سابق وعظ و نصیحت، تعلیم و تربیت میں مشغول ہوگئے۔

ہجرت و جہاد کی یاد میں

مولانا ہندوستان تو واپس ہوگئے مگر اس واپسی کا بہت رنج و غم تھا اکثر دوپہر اور رات کو سجدہ ریز ہوتے اور نہایت بے چینی و بیقراری کے ساتھ اس ملک سے ہجرت کی دعائیں کیا کرتے اور جہاد و ہجرت کے فراق ہجر میں اکثر بیتاب رہتے اور کبھی کبھی اپنے حسب حال یہ شعر ترنم فرماتے

خدا کے واسطے اب کی نکالو مت گلستاں سے
مرا دامن بندھے تو باندھ دو گل کے گریباں سے

وعظ و ارشاد

وطن کے قیام میں دن رات وعظ و تذکیر میں مشغول رہتے منگل کی شب میں اپنے مکان پر وعظ فرماتے کمرہ میں ایک طرف تقریباً پانچ چھ سو عورتیں ہوتیں اور دوسری جانب پانچ چھ ہزار کے قریب مرد ہوتے۔ بڑے بڑے علماء اور فضلاء تبع ہوتے یہ وعظ بڑا پر تاثیر ہوتا لوگوں کا حال دگرگوں ہوتا، اگر قیامت کا بیان ہوتا تو سامعین کی آنکھوں کے سامنے اس کی تصویر کھنچ جاتی۔ اہل علم بھی مستفید ہوتے اور ان پڑھ بھی فائدہ اٹھاتے۔ تمام رمضان افطار کے وقت دعا ہوتی اور دیگر دعوت مرد و عورت شریک ہوتے اور دور دراز دیہاتوں سے لوگ آ آکر شریک ہوتے

بہادر شاہ ظفر کے سامنے پراثر وعظ

بہادر شاہ ظفر اور زینت محل نے مولانا کی خدمت میں دعوت نامہ ارسال کیا۔ مولانا نے بڑے رد و قدح کے بعد قبول کیا اور تشریف لے گئے بادشاہ نے دیوان خاص میں اجلاس کیا۔ مولانا کے ہمراہ دو وقت دو افراد تھے۔ بادشاہ تخت سے اتر کر استقبال کیا اور اپنے پاس بٹھایا ریذیڈنٹ اور دوسرے امراء اور شاہزادے موجود تھے۔ مولانا نے وعظ فرمایا پہلے یہ اعلموا انما الحیوۃ الدنیا لعب و لھو و زینۃ و تفاخر الخ پڑھی۔ پھر دنیا کی بے ثباتی اور بے حقیقتی کا اس زور کا بیان کیا کہ سامعین کی آنکھوں میں دنیا اندھیری ہوگئی جب آپ اس آیت میں عذاب شدید تک پہونچے تو وزیر اعظم نے جھک کر عرض کیا کہ بادشاہ سلامت کے سامنے عذاب کا ذکر نہ کیجئے بادشاہ کو تکلیف ہوگی۔ یہاں دستور ہے کہ جو علماء وعظ کہتے ہیں وہ صرف جنت کا ذکر کرتے ہیں۔ مولانا نے وزیر اعظم کی بات پر توجہ نہ کی اور عذاب قبر، ہنگامہ محشر اور دوزخ کا اس وضاحت سے ذکر کیا کہ بادشاہ اور حاضرین مجلس زار و قطار رونے لگے۔ اثناء وعظ میں بادشاہ نے کہا کہ میں نے بھی ترک دنیا پر کچھ اشعار کہے ہیں۔ مولانا نے فرمایا! و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له و انصتوا۔ یہ بے ادبی ہے۔ وعظ کے بعد مولانا نے فرمائش کرکے وہ اشعار سنے۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے:۔

جو اثر سر ستیمیں نے وعظ مولوی ولایت علی مرحوم میں پایا کسی کے وعظ میں نہ دیکھا دستان کے پاس بیٹھنے سے دل دنیا سے سرد ہوجاتا ہے تھا اور دین کا جوش تر دل سے اٹھتا

بقیہ ص / ۱۰ / پر

ایک قلب دردمند و ایک فکر ارجمند

(سید محمد ثانی حسنی مدیر ماہنامہ "رضوان" لکھنؤ)

کتنے مرد با خدا تھے، کتنے دانا، ہوش مند
درد سے معمور تھے دل اور فطرت ارجمند

جن کے دل میں موجزن تحریک ندوہ کی ہوئی
ڈال کر بنیاد ندوہ کی کیا اس کو بلند

ہر طرف تعلیم کا تھا ایک فرسودہ نظام
اور اس پر یہ کہ ڈھیلا ہو رہا تھا بند بند

اہل دیں پر چھا رہا تھا اک تعطل اک جمود
اہل باطل بے خطر ان پر لگاتے تھے زقند

ہو گئے بے چین و بے کل دیکھ کر یہ حال زار
اہل علم اور اہل دیں اور قوم کے کچھ دردمند

متفق ہو کر بنایا اہل حق نے اک نظام
تاکہ پھر اسلام پر حملوں کا دروازہ ہو بند

چند اہل درد نے تحریک ندوہ پیش کی
کہ یہی تحریک ملت کے لیے تھی سودمند

نیک تھی ان کی نیت اور خوب تھا ان کا عمل
اس لیے اللہ کو ان کا عمل آیا پسند

شیخ کامل حضرت امداد تاج اولیا
جن کے دامن سے ہی وابستہ ہے سارا دیوبند

آپ نے تائید فرمائی تھی اس تحریک کی
آپ کی تائید کا ندوہ بہت احسان مند

چل پڑی تحریک یہ پھر آگ پانی کی طرح
اہل حق ہونے لگے ہر ہر قدم پر فتح مند

ہر قدم ملتے رہے تحریک کو وہ رہنما
تھے یقیں محکم، سراپا دردمند و فکرمند

شبلی نعمانی، مونگیری، شیروانی، عبدحی
ان میں ہر ہر ایک کا تھا مرتبہ کتنا بلند

آسمان علم میں سب نے لگائے چار چاند
علم ظاہر ہو کہ باطن کر دیا سب کو دوچند

آج تک سید سلیماں کی دلوں میں یاد ہے
صاحب قلب و نظر تھے اور زبان ہوش مند

درسگاہ ندوہ کہتے ہیں جسے دارالعلوم
علم کے معیار کو کتنا کیا اس نے بلند

کیا ادب، تاریخ کیا اور کیا سلوک و معرفت
جس کی چاہو اس ادارہ سے ملے گی تم کو تند

میں بتاتا ہوں تمھیں اس دور میں ندوہ ہے کیا
ایک قلب دردمند اور ایک فکر ارجمند

اس ادارہ پر ہے اب اللہ کی نظر کرم
اس لیے اسکو کوئی پہونچا نہیں سکتا گزند

کوئی ادارہ محض سفارش، رعایت، چشم پوشی، مذہبی عقیدت اور اپنے ماضی یا تاریخ کے سہارے نہیں جی سکتا

ہمیں دار العلوم کے اندر چند بنیادی تبدیلیاں اور چند اضافے کرنے ہیں اور یہ ہم کسی بدعت یا تحریف کا ارتکاب نہیں کر رہے ہیں

یہ اس خواب کی تعبیر کا سامان ہے جو ندوۃ العلماء کے مخلص بانیوں نے آج سے (۷۰) سال پہلے دیکھا تھا

ندوۃ العلماء کے نصاب میں مجوزہ انقلابی تغیرات کے سلسلہ میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی اہم اور تاریخی تقریر

[یہ تقریر مولانا نے ندوۃ العلماء کے جلسۂ انتظامی منعقدہ ۱۹۶۳ء میں کی تھی، اور آج پہلی بار اشاعت کے لیے دی جا رہی ہے، ذیلی عنوانات ادارہ کی طرف سے دیے گئے ہیں۔]

حضرات ارکان انتظامی!

ہم جلسۂ انتظامی ندوۃ العلماء کی تقریب سے پھر اس لیے جمع ہوئے ہیں کہ اس عظیم ادارے کے مسائل و ضروریات پر غور کریں، گزشتہ سال کے کام کا جائزہ لیں اور مستقبل کے بارے میں ضروری اور اہم فیصلے کریں، جہاں تک گزشتہ سال کے اندر ندوۃ العلماء کے مختلف شعبوں کی کارگزاری، آمد و صرف، اقتصادی مسائل، تقررات و ترقیات اور انتظامی امور کا تعلق ہے، وہ حسابات کے نقشے، منظور کی ہوئی تجاویز، اور ان تجاویز سے واضح ہو جائیں گے، جو آپ کے سامنے آنے والی ہیں لیکن اہل فکر و اہل علم کے ایک ایسے چیدہ و منتخب مجمع اور اس قیمتی وقت و فرصت کی جو ہم کو اس وقت میسر ہے ناقدری اور حق تلفی ہوگی اگر اس وقت کی صحبت کو اسی رسمی کارروائی اور ضابطے کی خانہ پری تک محدود رکھا جائے، ہمیں اس بیش قیمت فرصت میں اس سے زیادہ اہم اور اس بنیادی اور اصولی مسائل پر غور کرنا چاہیے۔ حالات و ماحول کی تبدیلی نے دینی تعلیم اور اس کے مرکزوں کے لیے جو نئے سوالات پیدا کر دیے ہیں اور جن کی بنا پر اس پورے نظام پر از سر نو غور کرنے اور حالات کا حقیقت پسندی کے ساتھ جائزہ لینے کی ضرورت پیدا کر دی ہے، اس پر اجتماعی طور پر غور کرنے اور راہ عمل معین کرنے کی ضرورت ہے۔

ہمارا کردار! کسی ادارے یا کسی ایسی زندہ جماعت کے لیے اپنی عمر میں صرف ایک بار حقیقت پسندی سے کام لینا، اپنے نظام کے اندر ضروری تبدیلی پیدا کرنا اور اپنے کو زندگی کے ساتھ ہم آہنگ بنانے کی کوشش کرنا کافی نہیں، کسی ایسے اقدام سے تعطل و راحت کا جواز پیدا نہیں ہوتا۔ درحقیقت جو ادارہ ایک بار تبدیلی و ترقی کی ضرورت کو تسلیم کر لیتا ہے اور ایک مرتبہ زندگی سے اپنے کو ہم آہنگ بنا لیتا ہے اس کے لیے زمانے کے تقاضوں سے آنکھیں بند کر لینا، کسی منزل کو سفر کی آخری منزل سمجھ لینا اور زندگی کے رواں دواں قافلے سے بچھڑنا خود اس کے آئین اخلاق اور طرز عمل کی رو سے ہمیشہ کے لیے ناجائز اور حرام ہو جاتا ہے۔ ایک ایسے ادارے کی جس کی بنیاد ہی اصلح و انفع کی تلاش و جستجو اور جائز تبدیلیوں کے تسلیم کرنے پر ہے، کسی زمانے میں، کسی نئی تبدیلی سے انکار اور کسی نئے تقاضے اور حقیقت سے فرار جائز و حق بجانب نہیں ہو سکتا۔ اس بنا پر ندوۃ العلماء کی یہ ذمہ داری دوسرے علمی و دینی اداروں سے کہیں زیادہ ہے کہ وہ نئے حالات و حقائق کا جائزہ لے اور زمانے کے جدید تقاضوں کی تکمیل کی کوشش کرے۔ اس سلسلے میں ہمارے سامنے چند مسائل ہیں جو فوری غور و فکر اور فیصلے کے طالب ہیں اور ان کی تکمیل کے بغیر ندوۃ العلماء کا یہ عظیم ادارہ اور تحریک اپنے فرض منصبی اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ اس عصر میں اپنی ضرورت و افادیت کا ثبوت دینے سے بھی قاصر رہے گی، اور جب کوئی ادارہ اپنی عملی افادیت ثابت کرنے سے قاصر رہتا ہے اور وقت کی ضرورت اور معاشرے کے اور ماحول کے دل کی دھڑکن سے اپنے کان بند کر لیتا ہے اور کسی تغیر کو برداشت نہیں کرتا تو اس کا رشتہ زندگی سے کٹ جاتا ہے اور ماحول کے ساتھ اس میں اضمحلال و زوال پیدا ہونے لگتا ہے، اس وقت اس درخت کو جس کی زندگی و شادابی ختم ہو گئی ہے، خارجی کوششوں، اعلیٰ درجے کی تنظیمی جد و جہد، عزم و قوت ارادی اور طاقت ور اور نامور شخصیتوں کے اثر سے بھی زندہ و شاداب نہیں رکھا جا سکتا۔ ادارے کی افادیت، عملی زندگی میں اس کا مقام اور وہ رول جو وہ ادا کرتا ہے تنہا اس کی بقا کا ضامن ہے، کوئی ادارہ محض سفارش، رعایت، چشم پوشی، مذہبی عقیدت اور اپنے ماضی یا تاریخ کے سہارے نہیں جی سکتا، اس بنا پر ہمیں دار العلوم کے اندر چند بنیادی تبدیلیاں اور چند اضافے کرنے ہوں گے۔ ہمارے لیے یہ اطمینان و مسرت کا باعث ہے کہ ندوۃ العلماء کے مقاصد، اس کے طریق فکر اور اس کے روشن ضمیر و بالغ نظر بانیوں کے عزائم و اعلانات انکی تحریروں اور تقریروں میں اس کی بنیادیں ملتی ہیں اور اس بنا پر ہم کو یہ باور کرنا چاہیے کہ ہم جہاں تک ندوۃ العلماء کے مقاصد اور طریق کار کا تعلق ہے کسی بدعت یا تحریف کا ارتکاب نہیں کر رہے ہیں بلکہ اس کے وسیع تر مقاصد کو بروئے کار لانے کی کوشش کر رہے ہیں، اور اس خواب کی تعبیر کا سامان مہیا کر رہے ہیں جو اس کے مخلص بانیوں نے آج سے ستر سال پہلے دیکھا تھا۔

دو متوازی نظام تعلیم!

حضرات! جدید تبدیلیوں، معاشی مشکلات، زندگی کی پیچیدگی اور اس کی سرعت رفتار نے اس بات کو بہت مشکل بنا دیا ہے کہ معاشرے یا ملک میں دو نظام تعلیم بالکل علیحدہ علیحدہ اور ایک دوسرے کے متوازی چلیں اور وہ نقطۂ آغاز سے لے کر اپنی آخری منزل تک کہیں ایک دوسرے سے نہ ملیں، علاوہ ان مفاسد اور خطرات کے جو کسی معاشرے میں ایسے دو متقابل عناصر اور طبقوں کے وجود سے پیدا ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے نہ صرف ناآشنا و بیگانہ بلکہ متقابل اور حریف کی حیثیت رکھتے ہیں، اس کا ایک لازمی نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ ان لوگوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے جو خالص دینی تعلیم کے لیے اپنی زندگی وقف کریں اور اس پر وہ یا ان کے سرپرست راضی و مطمئن ہوں کہ وہ حکومت اور ان تمام شعبوں سے علیحدہ و ان کے ثمرات سے محروم رہیں گے جن کا علم جدید اور سرکاری تعلیم پر انحصار ہے اور اس مقصد کے لیے صرف وہ عنصر رہ جاتا ہے جس کے اندر کسی وجہ سے بھی دینی جذبہ پوری طور پر موجزن ہے اور وہ اس قربانی کے لیے تیار ہے، یا وہ عنصر رہ جاتا ہے جو ذہنی حیثیت سے پست اور معاشی حیثیت سے پس ماندہ ہے، پھر خود اس تعداد کے اندر جو اس مقصد کے لیے منتخب ہو کر آتی ہے ذہنی انتشار، بے دلی، افسردگی بلکہ مردہ دلی روز افزوں ہے۔ وہ امنگ سے خالی، سرگرمی و محنت سے عاری اور بری طرح سے احساس کمتری اور مایوسی کا شکار ہے، اسکو جب کبھی کوئی موقع ملتا ہے وہ اس نظام سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے اور اپنے خیال کے مطابق انگریزی تعلیم، مشرقی امتحانات یا ان غیر ملکی اداروں کے لیے جن میں بیش قرار تعلیمی وظیفے دیے جاتے ہیں انتظار اپنے مستقبل کو کامیاب اور اپنے ہم چشموں میں اپنے کو با وقار بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ آپ جیسے اہل نظر سے یہ بات مخفی نہیں کہ تعلیم کی یہ ثنویت یا دوئی غیر اسلامی اقتدار کے عہد کی بدعت ہے، پہلے ہمارا نظام تعلیم وحدانی اور سالمیت پر مبنی تھا، ہمارا قدیم نصاب تعلیم جسکی درس نظامی نمائندگی کرتا ہے، مسلمانوں کے عہد حکومت میں ملک کا واحد نظام تعلیم اور ثقافت و ذہنی تربیت کا واحد ذریعہ تھا، یہ جہاں علماء دین و قضاۃ، فقہاء و محدثین تیار کرتا تھا وہاں سول سروس کے اعلیٰ عہدہ دار اور ارکان سلطنت مہیا کرتا تھا۔ اسی درس کی پیداوار جس طرح ملا محب اللہ بہاری اور ملا عبد الحکیم سیالکوٹی تھے، اسی طرح علامہ سعد اللہ خاں وزیر سلطنت بھی تھے۔ یہی حال دوسرے ملکوں میں بھی تھا، دینی و دنیوی تعلیم کے دو الگ الگ ادارے اور دو الگ الگ نصاب اور نظام نہیں تھے، جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ مشہور ریاضی داں و شاعر عمر خیام اور سلطنت سلجوقیہ کا وزیر با تدبیر نظام الملک طوسی دونوں ایک ہی حلقۂ درس کے شریک اور ایک ہی طریقۂ تعلیم کی پیداوار تھے۔

نیا نصاب تعلیم!

اس عہد انقلاب میں جب تقریباً ساری دنیا میں اہل دین کے ہاتھوں سے زمام کار نکل چکی ہے خاص طور پر اس ملک میں جہاں سیکولر حکومت ہے ہم یہ تو نہیں کر سکتے کہ ایک وحدانی نظام تعلیم قائم کریں جس میں شروع سے آخر تک علوم دینیہ کو بالادستی حاصل ہو اور وہ نصاب تعلیم زمانۂ حال کی تمام جدید ضرورتوں کو پورا کرے اور حکومت نیز دوسرے جدید شعبوں کے لیے کارپرداز مہیا کرے اور اسی کے فضلاء حکومت کے اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے سے لیکر دین کے بڑے سے بڑے شعبے تک کیلئے اہل ثابت ہوں، یہ تو وہ انقلاب ہے جسکو مسلم ممالک میں بھی آسانی کے ساتھ پیدا نہیں کیا جا سکتا اور باوجود اس کے کہ وہاں کے اہل فکر و ماہرین اسکی ضرورت تسلیم کر رہے ہیں، وہاں ابھی تک سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور و فکر کا آغاز بھی نہیں ہوا۔ لیکن ہم ہندوستان میں اور کم سے کم اس دار العلوم کے اندر ضرور ایسی تبدیلی کر سکتے ہیں جس سے ایک حد تک ان مفاسد کا سد باب ہو سکتا ہے جو ہمارے لیے اس وقت ایک اہم ترین سوال اور پریشان کن مسئلہ بن گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم پرائمری اور مڈل کے مرحلے تک ایک ایسا مشترک نصاب تعلیم بنائیں جو تمام مسلمان بچوں کے لیے قابل استفادہ ہو اور جو ان کو اسی معیار کی تعلیم دے جسکے حصول کے لیے ان کو سرکاری اسکولوں کا رخ کرنا پڑتا ہے۔ اس اضافہ کے ساتھ کہ اس میں دینیات کا نمایاں عنصر ہو، اخلاقی اور دینی تربیت کے لیے بہتر ماحول اور تعلیمی نتائج عام سرکاری اسکولوں سے بہتر ہو۔ اس مرحلے کے بعد ثانوی تعلیم کا ایک ایسا مرحلہ ہو جہاں عربی شروع ہوتی ہو، زبان، قواعد، مسائل و فقہ اور عام دینی معلومات کے ساتھ جدید ضروری مضامین سائنس، جغرافیہ، تاریخ اور انگریزی وغیرہ کی تعلیم ہو، اس مرحلے کے بعد اب طلبہ میں پوری احتیاط اور دقت نظر کے ساتھ انتخاب کیا جائے، جو لوگ اس تعلیم پر اکتفا کرنا چاہیں گے وہ دوسرے میدانوں کی طرف رخ کر سکتے ہیں اگر وہ مزید تعلیم کیلئے اسکولوں یا کالجوں کا رخ کرنا چاہیں تو وہ ایسی حالت میں وہاں جائیں گے کہ وہ ضروری دینی واقفیت حاصل کر چکے ہوں گے ان کے ذہن میں ایک بنیاد پڑ چکی ہوگی عربی سے ان کو ایسی مناسبت پیدا ہو چکی ہوگی کہ اگر وہ اپنے آئندہ تعلیمی مرحلے میں عربی کو بطور زبان کے لینا چاہیں گے تو وہ اس میں دوسروں کے مقابلے میں زیادہ کامیاب رہیں گے اگر ان کی سلامت طبیعت نے ساتھ دیا اور توفیق الٰہی نے یاوری کی تو وہ اپنے عقیدے اور دین کو محفوظ رکھ سکیں گے۔

اس مرحلے کے بعد عربی تعلیم و علوم دینیہ کو جاری رکھنے کی اجازت صرف ان لوگوں کو دی جائے گی جن کے اندر ذہانت، عربی علوم کی تکمیل کی صلاحیت اور شوق و ولولہ پایا جائے اور وہ دین و علم کی خدمت کو اپنا مقصد بنانے پر آمادہ اور تیار رہیں اور جو دلی لگن اور ذہنی یکسوئی کے ساتھ اس سلسلے کی تکمیل کر سکیں، یقیناً یہ انتخاب ایک بڑا دشوار کام ہے اور اس کے لیے نتائج امتحان اور علمی استعداد و صلاحیت کے علاوہ بھی بہت سی چیزوں کو دیکھنا ہوگا، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ انتخاب ضروری ہے اور باوجود بہت سی غلطیوں کے اس طریقے سے بہت سا ایسا عنصر چھنٹ جائے گا جو فطری صلاحیت و ذہانت سے بھی محروم ہے اور مقصد سے بھی خالی ہے اور جو محض اپنے والدین کے جبر و زبردستی یا ان کی مخلصانہ خواہش کے احترام یا کسی معاشی مجبوری کی بنا پر تعلیم کے سلسلے کو جاری رکھتا ہے، سب کو معلوم ہے کہ ہمارا نہ صرف علمی و فکری نظام بلکہ پوری زندگی کا نظام ان ہی شخصیتوں سے عبارت ہے جو غیر معمولی ذہانت و صلاحیت کی مالک تھیں، انھوں نے ہمارے معاشرے کی رگوں میں ہمیشہ تازہ خون پہنچایا اور اس درخت کو نئی شادابی، نئی قوت نمو اور نئے برگ و بار عطا کیے۔ آج ایسی شخصیتوں کے فقدان کی وجہ سے ہمارا نظام تعلیم زندگی سے محروم اور ہمارے مدارس دار الآثار میں تبدیل ہوتے جا رہے ہیں اور علوم اسلامیہ کی کوئی شاخ بھی نئے برگ و ثمر نہیں پیدا کر رہی ہے۔

اس تبدیلی کے نتائج!

اس تبدیلی سے ہم مسلمانوں کے جدید تعلیمی مسئلے کے حل کرنے میں بھی بہت بڑی مدد کریں گے اور اس طرح ایک ایسے نئے تعلیمی مرکز کا اضافہ ہوگا جسکو بہت سے ابتدائی وسائل حاصل ہیں اور وہ مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے کا اعتماد رکھتا ہے۔ اگر ہم اس ابتدائی (پرائمری و مڈل) کے مرحلے میں معیاری تعلیم کا انتظام کرنے، اچھے اساتذہ کے فراہم کرنے، بہتر اخلاقی و دینی ماحول کے پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم نے وقت کا ایک بڑا کام کر لیا، اور دوسرے اداروں کے لیے بھی ہم ایک نظیر قائم کر دیں گے جس کی تقلید جا بجا ہوگی۔ اسی طرح سے اگر ہم نے ثانوی کے مرحلے میں عربی زبان و قواعد، دینیات اور جدید مضامین کا اچھا انتظام کر دیا تو ہم ایک ایسے تعلیم یافتہ طبقے کے پیدا کرنے میں کامیاب ہوں گے جو مسلمانوں کے متوسط درجے کی دینی و دنیوی ضروریات پورا کرنے کی قابلیت رکھتا ہوگا اور ہر شعبے میں مزید تکمیل و ترقی کی اہلیت رکھتا ہوگا۔

اسی طرح سے اور سب سے بڑھ کر ہم اس چیدہ و منتخب عنصر کے حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جو اس عہد میں اسلامی علوم اور دینی تعلیم کی توسیع و ترقی، دین کی مخلصانہ خدمت اور شریعت کی حفاظت اور ترجمانی کے لیے درکار ہے اور مدارس کی موجودہ نوعیت کے ساتھ عام طور پر حاصل نہیں ہو رہا ہے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے ہم کو دار العلوم کے موجودہ ڈھانچے میں بہت وسیع اور بنیادی تبدیلیاں نہیں کرنی پڑیں گی، دار العلوم میں اس وقت بھی مکتب کے نام سے پرائمری کا ایک سیکشن قائم ہے، اس میں صرف اس کی مدت تعلیم اور معیار تعلیم بڑھانا پڑے گا اور از سر نو اس کا نصاب و نظام بنانا پڑے گا، ثانوی اس وقت دار العلوم کے درجات دوم، سوم، چہارم عربی کی شکل میں موجود ہے اس کے نصاب میں تھوڑا سا ترمیم، حذف و اضافہ کرنا پڑے گا، ثانوی کے بعد کا مرحلہ جس کا نام عالمیت رکھا جا سکتا ہے درجہ پنجم و ششم و ہفتم کی شکل میں موجود ہے اس کو دونوں ابتدائی مرحلوں سے ہم آہنگ اور زیادہ مفید و نتیجہ خیز بنانے کے لیے نظر ثانی کرنی پڑے گی جو لوگ اس درجے سے فارغ ہوں گے ان میں جن نوجوانوں میں مزید قابلیت اور کسی فن میں مہارت خصوصی حاصل کرنے کی استعداد اور عزم ہوگا ان کو بترتیب فضیلت اور تخصص کا موقع دیا جائے گا۔ درجہ ہشتم و نہم فضیلت کے لیے اور دو سال تخصص کے لیے اس وقت بھی دار العلوم کے دستور العمل میں شامل ہے اور عرصہ دراز سے ان پر عمل ہو رہا ہے، اس کی تفصیلات طے کرنے اور اس کی تشکیل جدید کے لیے یہ محدود وقت اور مختصر صحبت کافی نہیں، میں محترم ارکان انتظامی سے درخواست کروں گا کہ وہ اس کے لیے ایک سب کمیٹی بنا دے اور اس کو اس بات کا ذمہ دار بنائے کہ وہ نیا تعلیمی سال شروع ہونے سے پہلے اپنا کام ختم کر دے، اس کے جلد نفاذ کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ مجلس ناظم ندوۃ العلماء کو اس کا اختیار دے کہ وہ سال آئندہ سے تجربۃً اس کا نفاذ کریں اور آئندہ مجلس انتظامی میں اس کی رپورٹ پیش کریں۔

ندوۃ العلماء کا مقصد!

آپ حضرات کو یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں کہ ندوۃ العلماء کی تاسیس کا مقصد محض ایک متوسط درجے کا مدرسہ قائم کرنا نہیں تھا جس میں جزوی ترمیم و اضافہ کے ساتھ مروجہ علوم و مضامین پڑھائے جاتے ہیں، یہ کام تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ ہندوستان میں جا بجا ہو رہا تھا، ندوۃ العلماء کی تاسیس کا مقصد ہندوستان کے نظام تعلیم میں ایک انقلاب پیدا کرنا، دینی تعلیم کو زندگی کے ساتھ ہم آہنگ بنانا اور ایسے صاحب الفکر، بالغ نظر اور ماہر فن علماء پیدا کرنا جو اس کے

ہوئے زمانہ میں اسلام اور مسلمانوں کی نئی نئی ضرورتوں کی تکمیل کر سکیں اور اس عہد انقلاب میں مسلمانوں کی علمی و دینی رہنمائی کا فرض انجام دے سکیں، اس زمانہ کی پست ہمتی، افسردگی کی فضا اور دارالعلوم کے موجودہ کام کی سطح کو دیکھ کر اگرچہ یہ مقصد ہمارے تصور سے بہت بلند اور تخیل تیز اور نظری معلوم ہوں گے لیکن میں مجبور ہوں کہ دارالعلوم کے بلند نظر وہ عالی ہمت بانیوں کے اعلانات و تقریروں اور اس کے ابتدائی جلسوں کی روداد کو سامنے رکھ کر اس سے کم درجے کی بات نہ سمجھی جا سکتی ہے نہ کہی جا سکتی ہے۔ یہ ایک تاریخی امانت ہے۔ جہاں تو اتنے انکسار نفس اور حالات موجود کے محاظ کی ضرورت نہیں، اس لیے محض ایک ایسی تعلیم گاہ کا انتظام کر دینا جہاں عام مضامین درس کچھ تغیر و تبدل عربی زبان و ادب اور بعض نئے مضامین اور ایک آدھ زبانوں کے اضافے کے ساتھ پڑھائے جاتے ہوں اور جہاں سے ہر سال ایسے فضلا نکلتے ہوں جو کسی ایک فن کے بھی ماہر نہ ہوں اور جو کوئی غیر معمولی علمی امتیاز نہ رکھتے ہوں، ہرگز کافی نہیں، اور وہ ان تمام کوششوں کی قیمت نہیں ہو سکتی جو ندوۃ العلماء کے دائرے میں کی گئی ہیں۔ ندوۃ العلماء کی دعوت کو عام کرنے کے لیے اور کم سے کم اس مقصد کے حصول کیلئے کہ جو نصاب و نظام تعلیم جو صحیح اصولوں پر مبنی ہے۔ ہندوستان میں زیادہ سے زیادہ عام ہو۔ دو چیزوں کی ضرورت تھی، ایک تو یہ کہ ندوۃ العلماء اپنے اصولوں اور معیار کے مطابق ایک نیا نصاب اور نصابی کتابیں مرتب کرے، جو اس کے فکر اور جدید ضرورتوں کے بالکل مطابق ہو اور جس کے قبول کرنے میں اگر گروہی عصبیت سد راہ نہ ہو تو کسی مدرسے یا ادارے کو تامل نہ ہو۔ افسوس ہے کہ تنظیم و توسیع کے کاموں کی مشغولیت مختلف اور مشکلات پر قابو پانے کی کوشش، اور اشخاص و وسائل کی کمی کی وجہ سے کسی ایک مضمون یا فن میں بھی ابتدا میں اس سلسلے میں کوئی کام نہیں ہو سکا، لیکن اب خدا کی توفیق سے عربی زبان و ادب، ابتدائی صرف و نحو اور انشا کا ایک ایسا نصاب تیار ہو گیا ہے جس پر پورا اطمینان کیا جا سکتا ہے۔ عربی زبان و ادب میں بعض ایسی کتابیں جو بچوں کو اسلام کے بنیادی عقائد کے ساتھ ساتھ آسان طریقے پر عربی سکھانے کے بعض ایسے سلسلے تیار ہو گئے ہیں جن کو مصر و شام و حجاز میں بھی بہ نظر استحسان دیکھا گیا اور مصر و شام کے بعض ماہرین فن نے اس کا اعتراف کیا کہ ان کو ان سلسلوں پر بھی ترجیح حاصل ہے جو مصر کے محکمہ تعلیم کی طرف سے تیار کیے گئے ہیں اور بعض اہل نظر نے ہماری بعض کتابوں کو عربی ممالک کے نصاب درس میں داخل کیا لیکن دوسرے مضامین میں بھی جدید ضرورتوں کے مطابق نصاب تیار کرنے کی ضرورت ہے اور بہتر یہ ہے کہ ان چند کتابوں کے علاوہ جن سے بظاہر کسی دور میں بھی استغنا نہیں ہو سکتا اور جو زندہ جاوید کتابیں ہیں جیسا کہ مثلاً حدیث میں صحیح، فقہ میں ہدایہ، ادب عربی میں حماسہ اور جو کلاسیکل حیثیت رکھتی ہیں، کے علاوہ نئی کتابیں تصنیف کی جائیں پڑھنے والوں کی عمریں، اخلاقی معیار، ماحول، تعلیم و تربیت کے طریقے سب ایسی بدلتے ہوئے ہیں کہ ایک دور کی کتاب کسی چھوٹی عمر کے طالب علم کے لیے دوسرے دور میں مشکل سے موزوں ہو سکتی ہیں مثلاً آج اس عمر میں ہمارے مدرسوں میں بچے عربی و دینیات کی ابتدائی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں وہ عمر اس قابل نہیں کہ ان کو فقہ کی کسی درسی کتاب کے موجبات غسل، زواجی زندگی کی بہت سی جزئیات اور نفحۃ الیمن کے حکایات پڑھائے جائیں۔ یہ کام بھی عصر حاضر کا ایک بڑا کام ہوگا اور شاید اس کی تکمیل کے مواقع اور وسائل ندوۃ العلماء کے احاطے کے اندر زیادہ آسانی سے میسر ہو سکیں، یہ کام اس کے کارکنوں کے لیے اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس کے بغیر اس کا ایک بنیادی مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔

دوسرا کام جو اس مقصد کے حصول کے لیے کرنا ضروری ہے اور ابھی تک نہیں ہو سکا اور اب اس میں مزید تاخیر کی گنجائش نہیں وہ یہ کہ ان مختلف علوم و مضامین کے پڑھانے کے لیے اساتذہ تیار کیے جائیں جو دارالعلوم کی ضرورت کو بھی پورا کریں اور جب دوسرے مدارس اس کی خواہش کریں تو وہاں بھی ان کو خدمت کا موقع دیا جائے اگر سر دست دوسرے شعبوں میں یہ کام نہیں ہو سکتا تو عربی زبان و ادب اور صرف و نحو کی تعلیم کے لیے ضرور ایک ٹریننگ سنٹر کا انتظام ہونا چاہیے، اس لیے بھی اس کی شدید ضرورت ہے کہ عربی زبان و ادب میں اس وقت تک دارالعلوم کو جو امتیاز حاصل رہا ہے اس کی بنا پر مدارس عربیہ ہم سے عربی زبان و ادب کے استاذ مانگتے ہیں اور ایسے تربیتی نظام کے نہ ہونے کی وجہ سے ہم بالعموم ان کی فرمائش کی تعمیل سے قاصر رہتے ہیں۔ مجلس انتظامی کو اس ٹریننگ کا انتظام کرنے کیلئے ضروری اقدامات کرنے چاہئیں۔

فقہ کی تدوین جدید

کسی زمانے میں بھی کوئی بڑا علمی و تعلیمی ادارہ ان فقہی مسائل سے غیر متعلق نہیں رہ سکتا جو جدید حالات، تمدن، علوم و سائنس کی ترقی اور نئے تنظیمی و اقتصادی نظاموں نے پیدا کر دیے ہیں مسلمان بجا طور پر ان دینی مرکزوں سے جن میں اونچے پیمانے پر فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم ہوتی ہے ان مسائل پر رہنمائی کے طالب ہیں اور ایک بڑا طبقہ جو دینی احساس اور خدا کا خوف رکھتا ہے ان کے بارے میں حکم شرعی معلوم کرنے کے لیے مضطرب ہے، ندوۃ العلماء پر یہ ذمہ داری خاص طور پر عائد ہوتی ہے اس لیے کہ علماء کی اس انجمن کے قیام اور ایک بلند پایہ دارالعلوم کی تاسیس کے اہم مقاصد میں سے نئے مسائل پر غور اور جدید تبدیلیوں کے مطابق احکام و جزئیات کا استنباط اور مسلمانوں کی دینی رہنمائی کا فرض بھی شامل تھا، اگرچہ پرسنل لا کے مسئلے نے مسلمانوں میں اس ضرورت کا عام احساس اور اس سے دلچسپی پیدا کر دی ہے لیکن درحقیقت صرف پرسنل لا بلکہ تمام جدید حالات و ملی مسائل پر غور و فکر کرنا، اور ان کے بارے میں اپنی ثبت و واضح رائے دینا علماء کا اولین فرض تھا جہاں تک جہاں تک حکومت کی سطح پر کام کرنے کا تعلق ہے اور تنظیم رائے عامہ کو ہموار کرنے اور حکومت میں اس کی نمائندگی کا تعلق ہے جمعیۃ علماء نے اس کی ذمہ داری قبول کی۔ مجھے امید ہے کہ وہ یہ کام انجام دے گی لیکن اس کا علمی و فکری پہلو ضرور ایسا ہے جس پر خالص علمی سطح پر کام ہونا چاہیے۔ یہ فقہ کی تدوین جدید کا اہم کام ہے جس کو بلا تاخیر ہونا چاہیے۔ ندوۃ العلماء کے لیے یہ بڑی سعادت کی بات ہوگی کہ وہ اپنے دارالعلوم کے اندر یہ کام شروع کرے اور اس کے لیے ایک مستقل شعبہ قائم کرے دارالعلوم میں بڑا وسیع کتب خانہ ہے۔ صاحب نظر علماء کی بھی ایک جماعت ہے اپنے خاص تعلقات کی بنا پر اس کو مصر و شام کے علمی اداروں اور مرکزی شخصیتوں سے رابطہ قائم کرنے اور ان کے افکار و آراء سے استفادہ کرنے کا بھی بہتر موقع حاصل ہے اس لیے میری رائے اور تجویز ہے کہ دارالعلوم میں اس علمی و فکری کام کی تکمیل کے لیے ایک شعبہ قائم کیا جائے اور اس کے لئے ضروری انتظامات منظور کیے جائیں۔ خوش قسمتی سے ہم کو اس شعبے کی ذمہ داری و انصرام کے لیے مولانا محمد تقی صاحب امینی کی خدمات حاصل ہو سکتی ہیں جو عرصے سے اس طرز پر غور کر رہے ہیں اور جنھوں نے اس سلسلے میں اچھا خاصا کام بھی کر لیا ہے اس لیے میں مجلس انتظامی کی خدمت میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ اس شعبے کا قیام اور ان کا تقرر منظور کیا جائے۔

حرف آخر!

حضرات! اس طویل سمع خراشی کی معافی چاہتا ہوں مجھے احساس ہے کہ آپ کا بڑا قیمتی وقت اور خود ہماری ان گنی چنی گھڑیوں کو جن میں ہمیں آج کی کارروائی کو ختم کرنا ہے خاص حصہ صرف ہوا ہے لیکن میں اس کو وقت کی اضاعت نہیں سمجھتا بلکہ ان اصولی مسائل اور بنیادی اصلاحات و تغیرات کو نہ صرف ندوۃ العلماء کے دائرہ زندگی میں بلکہ مسلمانوں کی دینی و ملی زندگی میں بھی بڑی اہمیت دیتا ہوں خدا کرے ان ضرورتوں کی تکمیل اور ان مسائل کے حل میں ندوۃ العلماء اپنا سبق آموز کردار ادا کرے اور وقت کے ساتھ اپنی مطابقت اور مسلمانوں کی عملی زندگی میں اپنی افادیت ثابت کرے۔

بقیہ مضمون ص ۱ سے آگے:

تھا یہ مصرعہ میں نے انھیں سے یاد کیا تھا ؎

ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

وفات

تھانہ میں آپ کا قیام تین سال رہا محرم ۱۲۶۹ھ میں آپ پر خناق کا حملہ ہوا آخر کار اسی مرض میں حضرت سید صاحبؒ کے صحیح جانشین اور جلیل القدر اور عظیم المرتبت خلیفہ اور مجاہدین کے ٹوٹے دل کا سہارا لے کر اپنے مرشد کے نقش قدم پر چل کر اپنی جان جان آفریں کو سپرد کیا

ولایت علی رہبر دین حق
بہ ماہ محرم چو شد زیر خاک
بگو از سر آہ سال وفات
شدہ جائے سیرش فردوس پاک
۱۲۶۹ھ

”ایسی چنگاری بھی یا رب اپنے خاکستر میں تھی“

مولانا شبلی نعمانی

یہ سلسلہ مضامین ہمارے ان اکابر کے لیے وقف ہے جنھوں نے ندوۃ العلماء کی اپنے خون جگر سے آبیاری کی اور اس عزیز اور بلند مقصد کیلئے اپنی بہترین صلاحیتیں وقف کر دیں جنھوں نے انتہائی نازک اور دشوار حالات میں بھی اسکے علم کو بلند رکھا جنکی خاموش کوششوں اور قربانیوں جن کے خلوص اور بے غرضی جن کی بلند نظری وقت شناسی اور حوصلہ مندی کا ندوۃ العلماء رہین منت ہے۔ (ایڈیٹر)

مولانا شبلی نعمانی مرحوم کا کام متعدد وجوہ سے اہمیت خاص رکھتا ہے، مرحوم جن معترضین کے جواب کے لیے اٹھے وہ ان مشنریوں میں نہ تھے اور نہ مناظرانہ یا الزامی جواب ان کے لیے کافی تھے، ان کے جواب دینے کے لیے ضرورت یہ تھی کہ ایک ایک کونے سے نادر کتابوں کی تلاش اور ورق گردانی کی جائے، ان کے بتائے ہوئے حوالوں کی غلطی اور کمزوری بتائی جائے اور اس کے بالمقابل اسلامی علوم و فنون اور تاریخ و تمدن کے شاندار واقعات اور اہم کارناموں کو ابنائے زمانہ کے سامنے لایا جائے تاکہ اسلام کی تاریخی و تمدنی عظمت اور علمی جلالت سب کے سامنے آ جائے جس سے قوم کے افسردہ دلوں میں از سر نو تازگی اور امنگ بھی پیدا ہو اور دشمنوں کو اپنے اعتراضات کی بے مائگی کا بھی اندازہ ہو۔

مرحوم کا مقصد زندگی اگر یہیں تک ختم ہو جاتا تو بھی کام نسبتاً ہلکا ہوتا۔ مگر اس سے آگے بڑھ کر انھوں نے اپنی زندگی کا مقصد یہ قرار دیا کہ وہ اپنے سامنے اور اپنے بعد بھی علماء کا ایک گروہ ایسا چھوڑ جائیں جو اس نئے زمانے میں اسلام کی اس نئی ضرورت کو پوری کرتا رہے یہی دو چیزیں ان کی زندگی کا بڑا کارنامہ ہیں۔

اس دوسری غرض کے لیے انھوں نے ایسے پر زور مضامین لکھے اور تقریریں کیں جن سے یہ ثابت ہوا کہ ہماری عربی تعلیم کا پرانا نصاب اصلاح کا محتاج ہے اور ہمارے علماء کو زمانہ کی نئی ضرورتوں کا احساس ہونا چاہیے، شروع شروع میں ہر نئی تحریک کی طرح اس کی بھی مخالفت کی گئی اور شدید مخالفت کی گئی۔ مگر جب لکھنؤ میں دارالعلوم کی بنیاد ڈال دی گئی اور اس کے نتائج سامنے آ گئے تو رفتہ رفتہ مخالفت کی آواز دھیمی پڑتی گئی، اور مولانا اور مولانا کے تلامذہ کے ہاتھوں حیدرآباد سے بھاولپور تک اور خاص طور سے صوبہ ہائے متحدہ اور بہار کے مدرسوں اور ٹونک، اور حیدرآباد کے مشرقی و دینی شعبوں میں عظیم الشان اصلاحات ظہور پذیر ہوئیں، یہاں تک کہ اب صوبہ متحدہ کی مقدس مذہبی درسگاہوں تک اس کے اثرات پہنچ رہے ہیں۔

مولانا مرحوم نے ندوۃ العلماء کے وجود سے پہلے ہی اس کے متعلق سب سے پہلی آواز سفرنامۂ روم و مصر و شام میں ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء میں اٹھائی تھی۔ اور ہندوستان کے ساتھ قسطنطنیہ اور مصر کے مذہبی مدرسوں اور خاص طور سے جامع ازہر کے نصاب و طریق تعلیم و تربیت پر بڑی دلسوزی سے افسوس و حسرت کے آنسو گرائے، آنسو کے یہ قطرے بے اثر نہ رہے۔ اسی کے چند سال بعد ۱۳۱۹ھ میں جامعہ ازہر کی اصلاح کی تحریک شروع ہوئی اس کے متعلق سید رشید رضا اڈیٹر المنار مصر نے مسلسل مضامین لکھے، ۳۰ جمادی الثانی ۱۳۱۹ھ کے المنار میں اپنی اصلاحی تحریک کے سلسلہ میں دنیائے اسلام کے جن تین نامور علماء کے نام سند اپیش کیے وہ یہ تھے شیخ احمد جان، روسی شیخ شنقیطی مغربی (مراکش) اور شیخ شبلی نعمانی ہندی، اس کے بعد اگر ۱۳۱۹ھ کی تحریک جامعہ مدینہ کی کامیاب ہو جاتی تو اصلاح مدارس کی یہ تحریک ساری دنیائے اسلام میں پھیل جاتی مولانا اس ماحول میں جسکو ہندوستان میں تعلیم جدید نے پیدا کیا تھا ۱۶ برس کے قریب رہے تھے، ان کو خوب معلوم ہو چکا تھا کہ سیلاب کا یہ بہاؤ کس رخ بڑھے اور اس سیلاب میں ہمارے مذہبی علوم و فنون کا کیا حال ہوگا، اور جو شکوک و شبہات اس تعلیم کی بدولت پیدا ہو رہے ہیں ان کے جواب دینے کے لیے کس استعداد کے علماء کی ضرورت ہے ساتھ ہی مصر و شام و ترکی کی سیاحت نے علماء کے جدید فرائض کی ضرورتوں کو ان پر آئینہ کر دیا تھا اور ان ہی وجوہ سے ان کو اپنی تحریک کی ضرورت کا وہ شدید احساس تھا جو دوسرے علماء کو نہ تھا۔

اس اصلاحی تحریک کی دو دفعات پر مولانا کو بہ شدت اصرار تھا ایک یہ کہ قدیم یونانی فلسفہ کی کتابیں نکال کر جدید فلسفہ کی کتابیں داخل کی جائیں دوسری یہ کہ علماء تعلیم یافتوں کی اصلاح یورپ میں تبلیغ اور مستشرقین یورپ کے اعتراضات کے جواب اور غلطیوں کی اصلاح کے لیے انگریزی پڑھیں۔ اس سلسلے میں دو واقعے مجھے یاد آئے ایک دفعہ تنہائی تھی تو خاکسار نے عرض کیا کہ قدیم فلسفہ و منطق کی کتابوں کو نصاب سے خارج کرنے سے آپ کا مقصد کیا ہے، فرمایا یونانی علوم نہ ہمارے مذہبی علوم ہیں اور نہ ہمارے مذہب کی فہم و معرفت ان پر موقوف ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانے سے ان علوم کو علماء کے نصاب میں اس لیے داخل کیا تاکہ ان یونانی علوم کے اثر سے جن کو اس زمانہ میں زیادہ تر باطنیوں نے پھیلا رکھا تھا۔ علماء اسلام واقف ہو کر اس زمانہ کے الحاد کا مقابلہ کر سکیں لیکن اب نہ وہ ملحد رہے نہ وہ یونانی علوم رہے نہ ان کے ان مسائل کی صحت کا یقین عقل کے مدعیوں کو رہا، اس لیے ان کا اثر خود بخود زائل ہو گیا، اور اب ان سے اسلام کو کسی گزند کا خوف نہیں رہا اب اس کی جگہ نئے علوم ہیں، نئے مسائل ہیں نئی تحقیقات ہیں اب اس بات کی ضرورت ہے کہ ہمارے علماء ان نئی چیزوں سے واقف ہو کر اسلام کی نئی مشکلات کا حل نکالیں اور نئے شبہات کا تحقیقی جواب دیں۔

مجھے مولانا کی اس رائے سے کہ دارالعلوم کے تمام طلبہ کے لیے انگریزی لازمی کی جائے، اتفاق نہ تھا چنانچہ ایک دن موقع پاکر میں نے عرض کی کہ آپ مدرسہ میں انگریزی کو لازمی کیوں قرار دیتے ہیں۔ انھوں نے ایک آہ سرد کھینچی اور فرمایا دیکھ رہے ہو کہ نئی تعلیم کس تیزی سے پھیلتی جاتی ہے اس کے ساتھ عربی زبان کی تعلیم اعلیٰ مسلمانوں کے خاندان سے مٹتی جاتی ہے۔ اب نئے تعلیم یافتوں کی مذہبی واقفیت کا مدار انگریزوں کی کتابوں اور اسلامی کتابوں کے ترجموں پر رہ جائے گا۔ اس وقت ہمارے مذہبی علوم کا کیا حال ہوگا، اب بھی دیکھیے جب مذہبی تعلیم یافتوں کو قرآن پاک کے سمجھنے کا شوق ہوتا ہے تو وہ اپنی اس پیاس کو سیل کے انگریزی ترجمہ سے بجھاتے ہیں، فقہ اسلامی کا مدار ہدایہ کے انگریزی ترجمہ پر رہ گیا ہے کیا یہ کام ہمارے علماء کا نہیں ہے۔

یہ خیالات ان کے بیسیوں مضامین اور متعدد تقریروں میں بار بار دہرائے گئے ہیں، اور عباسیہ کے زمانہ میں علوم یونانی کی اشاعت اور علم کلام کی ایجاد سے اس کی اصلاح کی مثال برابر ان کے سامنے رہی ایک تقریر میں وہ پوری تفصیل کے بعد فرماتے ہیں۔

علماء کو اس بات کا مطلق خوف نہ کرنا چاہیے کہ علوم جدیدہ مذہب اسلام کے برخلاف ہیں اور ان کی تعلیم سے عقائد مذہبی میں خلل آتا ہے، کیونکہ جب امام غزالی کی طرح وہ ان علوم کو خود حاصل کریں گے تو ان کو وہ مسائل معلوم ہو جائیں گے جن میں مذہبی مخالفت کا احتمال پیدا ہو سکتا ہے اس صورت میں وہ ان مسائل کی تردید یا اسلام سے ان کی مطابقت بخوبی کر سکیں گے اور جدید تعلیم یافتوں کو مذہبی شکوک و شبہات سے محفوظ رکھ سکیں گے۔ صاف ظاہر ہے کہ جب تک ہماری قوم کے علماء جدید علوم کو بذات خود حاصل نہ کریں ناممکن ہے کہ وہ ان اعتراضات کا جواب دے سکیں، جو یورپ کے ملحد مذہب اسلام پر کرتے ہیں اور جن کا اثر ہماری قوم کے جدید تعلیم یافتوں پر پڑتا ہے (خطبات شبلی ص ۹۰)

اس خیال کے بموجب انھوں نے خود سبقت کی اور اپنے بل بوتے کے مطابق قدیم علم ہی سے جدید علم کلام کے عناصر جمع کیے اور الغزالی، سوانح مولانا روم، علم الکلام اور الکلام میں ان کو ترتیب دیا الکلام کی کتابوں میں دو قسم کی کمیاں محسوس ہوتی ہیں ایک یہ کہ جدید علوم و مسائل سے ان کی واقفیت بھی محض سنی سنائی ہی تھی یا ثانوی درجہ کی تھی، اس لیے وہ ان مقامات کی پوری تحدید نہ کر سکے جہاں سے اسلامی مسائل پر زد پڑتی تھی۔ (باقی ص ۱۳ پر)

تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ

محمد یونس نگرامی ندوی

(۱)

ابوحازم اپنے وقت کے بہت مشہور صاحب علم گزرے ہیں ایک مرتبہ خلیفہ وقت سلیمان بن عبدالملک نے انکو تفسر خلافت میں مدعو کیا اور کہنے لگا کہ اے ابوحازم کیا وجہ ہے کہ ہم لوگ موت کو ناپسند کرتے ہیں۔

ابوحازم نے جواب دیا کہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ تم لوگوں نے زندگی کو آباد کر لیا ہے اور آخرت کو ویرانہ بنا دیا ہے اسی لیے آبادی سے ویرانہ کی طرف جاتے ہوئے ڈرتے ہو۔

سلیمان بن عبدالملک :- آپ نے صحیح فرمایا، لیکن یہ تو ارشاد فرمائیے کہ اب اللہ کی طرف کیسے متوجہ ہوا جائے۔

ابوحازم :- نیکوکار کی مثال ایسی ہے جو اپنے اہل وعیال سے دور رہا ہو اور پھر آگیا ہو لیکن جس کی زندگی بدی ہی میں کٹی ہو تو اس بھاگے ہوئے غلام کی طرح ہے جو اپنے آقا کے سامنے پیش کیا جائے۔

یہ سن کر سلیمان بن عبدالملک رونے لگا اور کہا اے کاش ہمارا بھی کوئی مقام خدا کے یہاں ہوتا!

ابوحازم :- اے خلیفہ اپنے آپ کو کتاب اللہ کی ترازو پر رکھو تو خود معلوم ہو جائے گا کہ تمہاری حیثیت کیا ہے؟

سلیمان بن عبدالملک :- وہ یہ مقام کس آیت میں واضح ہوگا۔

ابوحازم :- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم"

سلیمان :- لیکن یہ اللہ کی رحمت کہاں ہے۔

ابوحازم :- قریب من المحسنین۔

سلیمان :- اے ابوحازم ہمارے لیے دعا کیجیے

ابوحازم :- اے پروردگار اگر سلیمان بن عبدالملک تیرا دوست ہے تو اس کو بھلائی کی توفیق عطا فرما اور اگر تیرا دشمن ہے تو اس شخص کی پیشانی پکڑ کر بھلائی کی طرف لے جا۔

یہ کہکر ابوحازم اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ تمام انعامات جو خلیفہ وقت نے عطا کیے تھے واپس کر دیے اور فرمایا جب تک علماء اپنے علم کو امراء سے بچاتے رہیں گے امراء ان سے ڈرتے رہیں گے

(۲)

عبدالواحد بن زید فرماتے ہیں کہ ایک روز میں بازار گیا۔ راستہ میں ایک شخص ملا جسکو جذام کی بیماری تھی اور بدن میں زخم بھی تھے گلی کے لڑکے اسکو پتھروں سے مار رہے تھے جس کی وجہ سے اس کا چہرہ خون آلود تھا۔ لیکن اس کے ہونٹ حرکت کر رہے تھے میں اس کے قریب گیا تاکہ بات سن سکوں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ میں نے سنا کہ وہ شخص کہہ رہا ہے اے میرے رب تو خوب جانتا ہے اگر میری ایک ایک بوٹی قینچی سے کاٹ دی جائے اور میری ہڈیاں آرے سے چیر ڈالی جائیں تو بھی میری محبت تیرے ساتھ بڑھتی جائے گی۔ اب تجھ کو اختیار ہے جو چاہے کر[2]

(۳)

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ بصرہ میں ایک جگہ آگ لگ گئی تمام مکانات جل گئے لیکن ان مکانات کے بیچ میں ایک جھونپڑی بچ گئی۔ اس زمانہ میں بصرہ کے حاکم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے اس کی تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ اس جھونپڑی میں ایک تارک الدنیا صاحب رہتے ہیں جنھوں نے اللہ سے یہ دعا مانگی تھی کہ ان جھونپڑی کو کبھی آگ نہ لگے یہی وجہ ہے کہ ان کی یہ جگہ محفوظ رہ گئی۔

حضرت موسیٰ اشعری نے فرمایا۔ بے شک میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بسا اوقات ایک مفلوک الحال شخص خدا کی قسم کھا جاتا ہے تو اللہ اس کو پورا کرتا ہے[3]

(۴)

یحییٰ بن معاذ بھی اپنے وقت کے بڑے عارف گزرے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

دنیا ایک ویرانہ ہے اور اس سے بھی ویران وہ دل ہے جو دنیا کو آباد کرے۔ آخرت ایک آبادی ہے اور اس سے زیادہ وہ دل شاداب ہے جو اس کو آباد کرے۔

تمہارا بھائی وہ ہے جو تمہارے عیب سے تم کو مطلع کرے تمہارا دوست بھی وہ ہے جو گناہوں سے تم کو باز رکھے۔

فرماتے تھے ایک شخص اپنے مال کے ضائع ہونے پر بہت غمگین ہوتا ہے لیکن ہر روز زندگی کم ہو رہی ہے اس پر کوئی غم نہیں رات بھی ہوتی ہے لیکن تم اس کو اپنے سونے سے ضائع نہ کرو دن روشن ہوتا ہے اسکو اپنے گناہوں سے تاریک ... نہ کرو۔

فرماتے تھے کہ عقلمند شخص وہ ہے جو دنیا کو چھوڑ دے ※ اس سے پہلے کہ دنیا اسکو چھوڑے اور اپنی قبر پہلے تیار کرے اس سے پہلے کہ اس کو اس میں داخل کیا جائے اور اپنے رب کو راضی کرے اس سے پہلے کہ وہ اس کی بارگاہ میں حاضر ہو[4]

---

[1] صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۹۹ [2] صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۱۱ [3] ایضاً ج ۲ ص ۷ [4] صفۃ الصفوۃ ج ۴ ص ۷۷

فقہی مسائل

(مولانا محمد ظہور صاحب ندوی مفتی دارالعلوم ندوۃ العلماء)

سوال :- زید کو کچھ سونے کے زیورات اسی سال کے اندر تحفہ کے طور پر ملے جب ملے تب سونے کا بھاؤ ۱۴۵ روپے تولہ تھا۔ اب سونے کی خرید و فروخت حکومت کی طرف سے ممنوع ہے، زید اگر اپنے زیورات فروخت کرنا چاہے تو حکومت کے خزانے میں صرف فروخت ہو سکے گا اور اسکی قیمت بحساب ۶۲/- روپے تولہ ملے گی وہ بھی بانڈ کی شکل میں زید اپنے زیورات فروخت کرنا چاہتا ہے۔ سال ختم ہو رہا ہے زکوٰۃ دینے کی فکر ہے، زید کس حساب سے زکوٰۃ ادا کرے آیا ۱۴۵ روپے تولہ کے حساب سے یا ۶۲ روپے تولہ کے حساب سے جواب حکومت کا نرخ ہے۔

جواب :- دریافت کردہ صورت میں موجودہ نرخ دیکھنا چاہیے حکومت سے بچا کر جو لوگ پرائیوٹ خرید و فروخت کرتے ہیں اسی بھاؤ کا اعتبار ہوگا عام طور سے ۱۳۰/- روپے سے لیکر ۱۶۰/- روپے تک کا بھاؤ ہے۔ آپ کے یہاں جو بھاؤ ہے اس کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قمرالنساء کی شادی قبل سن بلوغ مسمیٰ رفیق سے ہوئی اس وقت مساۃ مذکورہ تقریباً ۲۲ سال کی ہو چکی ہے۔ درمیانی مدت میں رفیق یا اس کے وارثوں نے رخصتی کا کوئی ذریعہ نہیں نکالا جس سے بیحد پریشانی ہے مجبوراً مساۃ کے والد نے عدالت میں قانونی چارہ جوئی کی ہر چند مختلف ذرائع (مثلاً نوٹس، سمن، اگزٹ وغیرہ) باعتبار قانون وقت رفیق کو حاضر کرانے کی کوشش کی، اس نے باوجودیکہ اطلاع ہوتی رہی از جواب دیا نہ حاضر عدالت ہوا اور نہ رخصتی کا کوئی طریقہ اختیار کیا البتہ اس صورت کو اپنے حق میں ہجو تصور کرکے مساۃ کے والدین کے قتل کے درپے ہو گیا اور موقع تنہائی پر حاضر ہوا چاقو وغیرہ اٹھا بھی دیا۔ قدرت نے جان بچائی اور ظالم فرار ہو گیا جب ساری کوششیں ختم ہو گئیں تو مساۃ کے والد نے عدالت سے لڑکی کے لیے طلاق حاصل کرلی بصورت مستفسرہ میں شریعت مطہرہ کے حکم سے نوازیں بڑی مہربانی ہوگی۔ اگر خدانخواستہ کچھ دنوں کی مہلت درکار ہوئی تو مساۃ کے والدین اس کی شادی دوسرے سے کر دیں گے۔

جواب :- دریافت کردہ صورت میں عورت کو چاہیے کہ اپنا معاملہ مسلمین کے پاس پیش کرے۔ جماعت مسلمین شہادت وغیرہ کے ذریعے (باقی آئندہ)

سعید الرحمٰن الاعظمی

دس لاکھ شہیدوں کا ملک - الجزائر

دس لاکھ شہیدوں کا ملک

الجزائر دنیا کا ایک جنت نشان ٹکڑا ہے یہ ۲۲۸۰۰۰۰ بائیس لاکھ اسی ہزار مربع کیلومیٹر کے رقبہ میں پھیلا ہوا، ۱۵ کمشنریوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا ملک ہے، پورا ملک سرسبز و شاداب اور فطری حسن و جمال سے مرصع ہے اونچے اونچے پہاڑ اس ملک کو کئی طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، ان پہاڑوں کو اٹھارویں صدی عیسوی میں "الجبھہ" کے نام سے یاد کیا گیا۔

۱۳۰ سال تک

الجزائر گمنامی اور گوشہ نشینی کی زندگی میں ۱۳۰ سال تک رہنے کے بعد ایک آزاد ملک کی طرح دنیا کے سامنے آیا۔ اس نے اس طویل مدت میں ایسی ایسی ہولناک جنگوں کا سامنا کیا جو اس کے وجود کو ہمیشہ کے لیے فنا کر دینے پر پوری طرح آمادہ تھیں لیکن اس نے دس لاکھ فرزندان وطن کے خون میں فرانسیسی سامراج کو ہمیشہ کے لیے غرق کر دیا اور دنیا کے سامنے یہ ثابت کرکے دکھا دیا کہ عزم و ہمت مردان خدا کا سب سے بڑا ہتھیار ہے جس کے سامنے بڑی بڑی طاقتیں بھی سرنگوں ہو کر رہتی ہیں۔ الجزائر کے تمام باشندے اس خون کے ایک ایک قطرے کی قیمت کا اندازہ لگا رہے ہیں جو آزادی کی راہ میں اس کے سپوتوں نے بہائے تھے۔

جدوجہد کا دور

لیکن الجزائر ابھی اپنی جدوجہد اور اپنی بے پناہ کوششوں کے دور سے آزاد نہیں ہو سکا ہے۔ وہ آج اپنے تابناک مستقبل کے لیے جہاں بے پناہ قربانیوں کا محتاج ہے وہیں وہ ماضی کی گھناونی زندگی کو مٹانے اور اس کے اثرات کو نئی زندگی دینے کے لیے بھی اس سے کم قربانی، جدوجہد اور تگ و دو کا محتاج نہیں ہے۔ الجزائر کی لڑائی بیسویں صدی عیسوی کی ایک دل ہلا دینے والی کہانی ہے فرانسیسی سامراج نے بحر متوسط کے کسی بھی ملک میں وحشت و بربریت کا وہ پارٹ نہیں ادا کیا تھا جو اس نے اس حسین و جمیل وادی الجزائر میں ادا کرکے دنیا میں اپنی سفاکی کا نقش قائم کیا۔

سامراج کا ظلم

فرانسیسی سامراج الجزائر میں اسی ساٹھ لاکھ ایکڑ زمین پر قابض تھا جو خالص زراعتی زمین تھی۔ اسی طرح وہ کارخانوں اور شہر کے اچھے علاقوں پر پوری طرح مسلط تھا، اور گندے علاقوں میں ملک کے باشندوں کو رہنے کی اجازت تھی۔ اسی پر اکتفا نہیں تھا بلکہ الجزائری باشندوں کو اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں نیز عدالتی اور فوجی اختیارات سے بالکل محروم کر رکھا تھا یہاں تک کہ عربی زبان کے استعمال سے یہ قوم بالکل محروم کر دی گئی تھی جو اسکا فطری حق تھا۔ سامراج نے اس زبان کو کسی درجہ میں بھی تسلیم نہیں کیا تھا۔

الجزائر کی قومی دولت

دنیا کا سب سے پہلا ملک جہاں گیس دریافت ہوئی الجزائر ہے، اس گیس کو خشک کرکے اسے انگلینڈ بھیجنے کے لیے کئی کارخانوں کے قیام کا پروگرام ہے۔ پٹرول کی پیداوار کے اعتبار سے الجزائر دنیا میں دسویں نمبر پر شمار ہوتا ہے (مغربی) مراکشی حدود کے قریب صحرائے "تندوف" میں لوہا کثیر مقدار میں پایا جاتا ہے۔

فاسفیٹ (PHOSPHATE) کی پیداوار کے اعتبار سے الجزائر دنیا کی پانچویں حکومت ہے۔ یہاں کی مٹی میں تانبے، المونیم، سیسہ اور جستہ کی کافی مقدار موجود ہے، انگور کے باغ چھ ہزار چار سو میں (۶۴۰۰) ایکڑ کے رقبہ میں پھیلے ہوئے ہیں جس کی کل آمدنی دو سو ملین فرانک سالانہ ہوتی ہے کھجور بھی یہاں کافی مقدار میں پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح یہاں جو اور گیہوں کی پیداوار دو کروڑ ٹن سالانہ ہے۔ یہاں کے پہاڑوں کی چوٹیاں زیتون کے خوشنما پھلوں اور پھولوں سے لدی رہتی ہیں، زیتون کا تیل کھانا پکانے کی چکنائی کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

الجزائر کی آزاد حکومت نے اب تمام فرانسیسی قبضہ والی زراعتی زمینوں کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے۔ اور عنقریب ان زمینوں کو زراعتی اصلاح کے قانون کے تحت کسانوں میں تقسیم کر دیگی۔

الجزائر کی عورتیں

الجزائری عورتوں کی یونین نے جسکا نام "الاتحاد النسائی" ہے، عورتوں میں کام کرنے اور ان کو مزید ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ بنانے کی غرض سے خاص پروگرام تیار کیا ہے، اور اب الجزائری عورت میدان جنگ سے لوٹنے کے بعد اپنی قومی آمدنی بڑھانے کے لیے عام نسوانی وظائف میں مشغول ہوتی نظر آرہی ہے، وہ شہیدان آزادی کے خاندانوں کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ تمام ثقافتی سیاسی اور اقتصادی کاموں میں حصہ لے رہی ہے۔

مستقبل کا منصوبہ

فرانسیسی سامراج نے الجزائری باشندوں کے دلوں سے تمام عربی خصوصیات نکال کر اس کی جگہ پر فرانسیسی رسم و رواج اور تہذیب و ثقافت کے رائج کرنے کی پوری کوشش کی اور وہ اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہا چنانچہ فرانسیسی ثقافت نے عربی زبان اور عربی رسم و رواج کو بالکل مسخ کر ڈالا، لیکن الجزائر جوں ہی آزاد ہوا سب سے پہلے اس نے اپنی عربیت اور اسلامیت کا اعلان کیا۔

اور حکومت نے الجزائر کی عربی روایات کو لوٹانے اور ان کو عام زندگی میں نافذ کرنے کا پروگرام بنایا ہے جس پر عملدرآمد بھی شروع ہو چکا، اس وقت تمام کالجوں اور اسکولوں میں عربی زبان داخل ہو چکی ہے اور ۵ جون ۱۹۶۳ء سے ملک کو ناخواندگی اور جہالت سے نجات دلانے اور ہر طبقہ میں تعلیم کو رائج کرنے کی غرض سے ایک عام منصوبہ کے تحت عمل ہو رہا ہے۔

آج دس لاکھ شہیدوں کے ملک الجزائر میں اسلامی روایات کی صدا سنائی دے رہی ہے اور اس ملک کے پہاڑوں پر اس کے خط و خال نظر آرہے ہیں، اور الجزائر ایک روشن مستقبل کی تلاش و انتظار میں پھر اپنی جدوجہد کا آغاز کر رہا ہے۔

بقیہ ص ۱۱ سے آگے

دوسری کمی یہ ہوئی کہ انھوں نے اسلام کے صحیح عقائد کو متکلمین و حکمائے اسلام کی کتابوں سے چن کر یکجا کیا، حالانکہ ان کا اصلی سرچشمہ کتاب الٰہی اور سنت نبوی تھی، اگر یہ دونوں چیزیں براہ راست سامنے رکھی جاتیں، تو منزل مقصود کا صحیح پتہ لگ جاتا، آخر زمانہ میں علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کے مطالعہ نے یہ نقطۂ نظر ان کے سامنے کر دیا تھا مگر تصنیفی عمل کا وقت گذر چکا تھا، البتہ سیرت نبوی کی تکمیل کا موقع ان کو ملتا تو ضرور وہ اس کی تلافی کرتے۔

(حیات شبلی مصنفہ سید سلیمان ندوی)

ندوۃ العلماء کا عربی ماہنامہ
البعث الاسلامی
جو ۸ سال سے برابر شائع ہو رہا ہے
۸۰ صفحات ★ اعلیٰ طباعت
نظر افروز سرورق
مستقل عنوانات کی ایک جھلک
• التوجیہ الاسلامی • الفقہ الاسلامی والمشکلات الحدیثۃ • اقتصاد فی ضوء الاسلام • فی رحاب العارفین • فی ریاض الادب والشعر
• العالم الاسلامی وغیرہ
زیر ادارت محمد الحسنی • سعید الاعظمی
چندہ سالانہ : چھ روپے
دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

انوار الحسن ندوی

عمان کی ایک غیر معروف ریاست۔ فجیرہ

جس پر قبضہ کرنے کیلئے بمبئی سے فوج گئی

فجیرہ عمان کی جو عربوں کی سرزمین اور ان کے وطن عزیز کا جزو لاینفک ہے۔ ایک قدیم، گمنام اور غیر معروف ریاست ہے اور خلیج عمان کے شرقی ساحل پر واقع ہے اپنے جغرافیائی محل وقوع کی بنا پر یہ ریاست عرب دنیا سے کچھ کٹ سی گئی ہے۔ اس کے وسائل اور ذرائع مواصلات انتہائی محدود ہیں اور درآمد برآمد کی دشواریاں بہت زیادہ عربوں کی آبادی یہاں زمانہ قدیم سے چلی آرہی ہے۔ اس کی مجموعی آبادی تیس ہزار سے زائد ہے۔

پانی کی کثرت اور ذرائع آب پاشی کی خاصی سہولت نے اس علاقہ کو تر و تازہ سرسبز و شاداب بنا دیا ہے اس لیے زراعت وکھیتی باڑی یہاں کے لوگوں کا پسندیدہ پیشہ اور بہترین ذریعہ معاش ہے۔

بمبئی سے حملہ فجیرہ کے عرب بلا کے تیرانداز اور مشاق نشانہ باز ہیں۔ ۱۸۰۹ء میں انگریز بمبئی پریسیڈنسی سے (جو اس وقت ان کی عسکری قوت کا مرکز اور ان کا گڑھ تھا) ایک بحری فوج کے ذریعہ فجیرہ پر حملہ آور ہوئے اور اس کو فتح کرلیا جو آج تک انھیں کے قبضہ میں ہے۔ انگریزی بیڑہ نے یہاں کے مشہور تاریخی قلعہ پر زبردست گولہ باری کی۔ کہتے ہیں کہ دو سو اسی (۲۸۰) گولوں کے نشانات اب بھی اس پر موجود ہیں اور تاریخی یادگار کے طور پر محفوظ رکھے گئے ہیں نتیجۃً قلعہ کی عمارت میں جا بجا شگاف پڑ گئے ہیں اور وہ کافی ٹوٹ پھوٹ گیا۔ غالباً انھیں شگافوں کی مناسبت سے اس گاؤں کا نام فجیرہ پڑا۔ اور اب بجز اس پوری ریاست کے لیے یہی لفظ استعمال خاص و عام ہے۔ ٹوٹ پھوٹ کے یہ آثار اب بھی جوں کے توں نمایاں اور محفوظ ہیں اور اس قلعہ کی عظمت و پائیداری کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔

تیس ہزار کی ریاست میں ایک بھی پڑھا لکھا نہیں

آپ حیرت و استعجاب سے سنیں گے کہ اس تیس ہزار نفوس پر مشتمل آبادی میں ان عربوں کے بچوں کے لیے ایک بھی مدرسہ نہیں اور ان میں ایک شخص بھی صاحب علم نہیں۔ ان کی کتاب زندگی کے اوراق بالکل سادہ ہیں وہ تہذیب و تمدن کی نعمتوں سے بالکل محروم ہیں۔ جدید دنیا سے ناواقف وہ زندگی کی ساری لطافتوں اور رعنائیوں سے بے بہرہ ہیں۔ ان کے اوقات زیادہ تر لہو و لعب، ہوٹل بازی اور سیر و تفریح کی نذر ہو جاتے ہیں۔ ان کا معاشرہ علم کی روشنی سے دور جہالت و ناخواندگی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں پڑا ہوا ہے۔

ناک سے مصافحہ کا دلچسپ رواج ان عربوں میں روایتی طور پر مصافحہ کا جو طریقہ ہے وہ بھی عجیب ہے۔ یہ جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں یا ان میں کا کوئی شخص کہیں باہر سے آتا ہے تو اپنے دوست واحباب یا عزیز و اقربا سے ملاقات کے وقت اپنی ناک دو تین بار ملاتا ہے۔ یہی ان کا مروجہ مصافحہ ہے۔

اسی طرح جب وہ اپنے حکام سے ملاقات کرتے ہیں تو سلام کلام کی ابتدا یوں کرتے ہیں۔

سوال! آپ کیسے ہیں؟

جواب! اچھے ہیں اللہ آپ کو عافیت نصیب کرے!

سوال! اور آپ کا کیا حال ہے،

جواب! خدا کا شکر ہے،

اس ابتدائی سلام و دریافت خیریت کے بعد ان کا حاکم جب ان سے روداد سننا چاہتا ہے تو ان میں کا ہر شخص ادب اور تواضع کی وجہ سے ایک دوسرے پر ٹالنے کی کوشش کرتا ہے اور کلام میں پہل کرنے سے احتراز کرتا ہے یہاں تک کہ کافی حیص بیص کے بعد ان میں کا بڑا گفتگو کا آغاز کرتا ہے۔

تو یہ ہے فجیرہ عمان کی عجیب و غریب ریاست جو شاید اپنی ان مذکورہ بالا خصوصیات اور روایات میں ساری دنیا سے علیحدہ ہے کم از کم اتنا تو ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ناک سے مصافحہ کی عادت غالباً اس شکل میں دنیا کے کسی اور حصہ میں رائج نہ ہوگی۔

(ماخوذ از "العربي")

عبد الحمید مظاہری
استاذ جامع دار العلوم (رنگون، برما)

عالم اسلام اور فکری غلامی

سامراج کا سب سے بڑا تحفہ اقوام عالم کے لیے سمیت سے بھرپور "قومیت" (NATIONALISM) کا نظریہ ہے اور مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ مصری صدر اس زہر آمیز محلول کے پینے اس کے ہضم کرنے اور اس کے فوائد و اثرات کی تبلیغ کرنے میں سب سے زیادہ بہرہ حاصل کر چکے ہیں، عروبۃ یعنی عرب نیشنلزم کی تحریک جمال عبد الناصر جس جوش و خروش اور پوری تندہی و جانفشانی سے شروع کی ہے وہ اصحاب دانش سے پوشیدہ نہیں، 'عروبۃ' کے مقابلے میں جمال عبد الناصر نہ اسلام کو ترجیح دینا پسند فرماتے ہیں نہ اسلامی رجحانات کو یہی وجہ ہے کہ ایک طرف اسلام اور صرف اسلامی نظریات کی تبلیغ کرنیوالی جماعت اخوان المسلمون اور اسکے دلیر و شجاع، بہادر و نڈر لیڈروں اور رہنماؤں پر ظلم و ستم کے وہ پہاڑ توڑے گئے کہ اسکے سامنے ہلاکو و چنگیزی تاریخ بھی شرما جائے۔ دوسری طرف خالص "عروبۃ" کا نعرہ بلند کرنے والے نحن ابناء الفراعنۃ (ہم لوگ فرعون کی اولاد ہیں) کا راگ چھیڑنے والے .... اور اس "کفر" پر کہ اتحاد و یک جہتی پیدا کرے، فخر کرنے والے عیسائی شاعر کا منہ موتیوں سے بھرا جاتا ہے۔ دوسری طرف کویت کے مشہور رسالہ "العربي" کے ایڈیٹر ڈاکٹر احمد زکی صاحب جنھیں جمال عبد الناصر کا پروپیگنڈسٹ کہنا چاہیے بڑے فخر و طمطراق کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ "ہمیں عروبۃ کی ضرورت ہے کیونکہ یہی اتحاد و وحدت کی ضرورت کو پورا کرتی ہے اسلام تو محدود چیز ہے وہ پوری عرب دنیا کو شامل نہیں کیونکہ عربوں میں عیسائی بھی ہیں اور یہودی بھی البتہ "عروبۃ" پوری عرب دنیا کو شامل ہے اس لیے ہمیں عروبۃ کی تبلیغ اور اسے پوری طرح اپنانے کی اشد ضرورت ہے"

یہ ہے مغربی سامراج کا تیار کردہ وہ خطرناک طلسم ہوشربا جس کی سرحد میں قدم رکھنے کے بعد انسان حیران و پریشان ظلمات کی وادیوں میں بھٹکتا پھرتا ہے کوئی روشنی کارگر نہیں ہوتی تا آنکہ انسان اسلام کی روشنی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے اور اس کی طرف لپکے۔ آج جمال عبد الناصر اور دوسرے قائدین تحریک آزادی مثلاً بن بالشہ، حبیب بورقیبہ، ... شاہ حسن ثانی اور شامی و عراقی لیڈر سب کے سب اسی طلسم میں گرفتار ہیں اور پوری شدت کے ساتھ وحدت عربیہ کا نعرہ لگاتے ہیں۔ مگر یہ طلسم تو ایسا ہے کہ یہاں شیطان کے کان بہرے ہیں، کوئی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اس کے باوجود دعویٰ ہے کہ ہم سامراج کے بڑے مخالف ہیں اور دشمن ہیں حقیقت یہ ہے سامراج ظلم و استبداد کا دیو اپنی بھیانک شکل کے ساتھ ان سب کے سروں پر مسلط ہے اور شکر کے حسین و خوشنما غلاف میں ملفوف زہر ہلاہل کی تلخ گولیاں انھیں کھلا رہا ہے اور یہ لوگ ●

● اس کی بھیانک کریہہ اور ڈراؤنی صورت سے تو نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور اسے پرے ڈھکیلنا چاہتے ہیں لیکن زہر کی ان حسین گولیوں کی طرف للچائی ہوئی نظر سے دیکھتے ہیں اور اسے حاصل کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں سامراج تو یوں بھی یہ گولیاں پیش کرنے کے بعد اپنی بھیانک شکل پردوں میں چھپا لے گا۔ لیکن وہ گولیاں جو ان کے حلق کے نیچے اتر گئی ہیں ان کی ہلاکت آفرینی تاثر سے یہ لوگ کب تک بچ سکیں گے کاش یہ لوگ ذرا بھی فہم و فراست سے کام لیتے اور اس اسلامی تریاق کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ لیتے جو بیک وقت انھیں سامراجی دیو کے آہنی شکنجے اور ان زہریلی گولیوں کی ہلاکت خیزی سے نجات دینے کی اپنے اندر بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے کہ آزادی کی ہے نیلم پری
(اقبال)

محمد نثار الحق ندوی

افریقہ کا ایک نو آزاد اسلامی ملک!

"سیرالیون"

سیرالیون کے حدود اربعہ یہ ہیں شمال میں غینیا جنوب میں لیبریا، مشرق میں ...... غینیا اور مغرب میں بحر اٹلانٹک، اس کا رقبہ آئرلینڈ کے برابر ہے یعنی ۲۷ ہزار ۹۲۵ مربع میل اور آبادی ۲۵ لاکھ ہے جس میں ۶۰ فیصدی مسلمان ہیں۔

مختصر تاریخ! اس نو آبادی کی بھی وہی کہانی ہے جو دوسرے نو آبادیات کی ہے آنیوالے مختلف بھیسوں میں بعض تاجروں کے بھیس میں بعض مبلغ بن کر یا کسی کمپنی کی ایجنٹ کی حیثیت سے برابر آتے رہے اور اس طرح رفتہ رفتہ ۱۸۰۸ء میں حکومت برطانیہ کا اس پر مکمل تسلط ہو گیا، سیرالیون کا ایک قومی لیڈر جس نے در اصل قیادت کے پردہ میں خیانت سے کام لیا انگریزوں سے مل گیا اور اپنے اس عزیز ملک کو فروخت کر دیا اس شخص کو "روجس برائٹ" کے نام سے سب جانتے ہیں، لیکن اس کی یہ غداری عرصہ تک پردۂ خفا میں نہ رہ سکی۔

آخر کار موجودہ وزیر اعظم نے اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے ملک کے گوشے گوشے کا دورہ شروع کیا اور عوام کے ذہن و دماغ کو برے اور گندے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے نئی جد و جہد شروع کی قدرے سکون ہو جانے کے بعد انھوں نے لندن کا سفر کیا اور پوری قوت کیساتھ حصول آزادی کی کوشش کا آغاز کر دیا۔ یہ قوت در اصل ان ۲۵ لاکھ سیرالیونی باشندوں کی کچی حمیتوں نے بطیب خاطر اپنے قیمتی ووٹوں سے اس ہر دلعزیز شخصیت کو نوازا تھا اور اس مہم کو سر کرنے کے لیے آمادہ کیا تھا بہر حال اس مطالبہ کے آگے جھکتے ہوئے اقوام متحدہ نے وعدہ کیا کہ سیرالیون، الماس اور کانگو کو آزادی کا پروانہ مل جائے گا۔

سیرالیون کے باشندے! سیرالیون کے باشندے صورۃً افریقیوں سے ملتے جلتے ہیں یہ افریقی نسل امریکہ تک پھیلے ہوئے ہیں جب دوسری دفعہ انگریزوں کی آمد و رفت ان علاقوں میں ہونے لگی تو ان باشندوں کا زیادہ میلان مغربی تہذیب کی طرف ہوا۔ چنانچہ افریقی تہذیب صرف انھیں افریقیوں میں محدود ہو گئی جو اپنی قدیم روایات اور رسوم پر قائم رہنا باعث فخر سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ آزادی کی تحریک میں کامیاب ہو سکے لیکن یہ رکاوٹ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی اور وہ غیر ملکی بھی ان باشندوں کے ساتھ رفتہ رفتہ ایسے گھل مل گئے کہ آپس میں شادی بیاہ کی رسمیں بھی قائم ہوگئیں اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ اپنا سارا امتیاز کھو بیٹھے، اب وہ غیر ملکیوں کے دوش بدوش تعلیم و تربیت کی طرف بھی متوجہ ہوکر مدارس کے قیام میں لگ گئے ... تعلیم و تربیت کی ٹریننگ کے لیے کچھ افراد غیر ممالک بھی گئے۔

وہاں دو قبیلے زیادہ معزز سمجھے جاتے ہیں "تیمن" اور "مند" قبیلہ تیمن کی بڑی تعداد مسلمان ہے جو شمال میں واقع ہے۔ اور قبیلہ "مند" جنوب میں آباد ہے جو زیادہ تر جنگلات میں گھرا ہوا ہے۔

ذریعہ معاش! سیرالیون کی اقتصادیات کا زیادہ تر دار و مدار زراعت پر ہے اور وہاں کی اہم پیداوار تیل اور چاول وغیرہ ہے۔

اسی طرح جنگلات سے مختلف چیزیں حاصل کرنا اور مچھلیوں کا شکار اور جانوروں کی پرورش ان کا خاص مشغلہ ہے۔ الماس کی صنعت سے ملک کی پچاس فیصدی آمدنی ہے اور ان کی اکثریت اسی میں مشغول ہے۔ (منبر الاسلام، قاہرہ)

٭ شروع کی مگر کوئی ایسا شخص نہ مل سکا جو اس کی جائداد کا حقیقی وارث بن سکے۔

"الاعتصام" لاہور

دلچسپ معلومات

"یورپ کی کتاب البخلاء"

لکھ پتی بخیلوں کے عجیب و غریب واقعات

(محمد اسلم خاں)

وال اسٹریٹ نیویارک کی ایک مشہور شخصیت کو اپنے باپ کی وراثت سے دس لاکھ پونڈ ملے تھے لیکن اس نے اس رقم میں اتنا اضافہ کر دیا کہ وہ دو کروڑ پونڈ تک پہونچ گئی۔ یہ عورت کپڑوں کے استعمال کے بجائے اپنے بدن پر پرانے اخبار باندھ لیا کرتی ہے تاکہ وہ سردی سے بچ سکے وہ صابن بچانے کے خیال سے کبھی کپڑے نہیں دھلایا کرتی تھی، برطانیہ میں ایک ریلوے لائن اس کی ملکیت تھی مرنے سے پیشتر اس نے پادری کو خط لکھا کہ مجھ کو فلاں مقام تک جانا ہے اور میرے پاس کوئی کرایہ نہیں ہے مہربانی کرکے میرے لیے کرایہ کا بندوبست کر دو چنانچہ اس کے لیے پادری نے کرایہ کا انتظام کر دیا۔

ایک اور کنجوس رسل سیج نے دو کروڑ پونڈ کی جائداد پیدا کی لیکن بوڑھا ہونے پر بلکہ مرنے تک اس کے جسم پر وہی سوٹ رہا جو اس نے جوانی میں بنوایا تھا۔ وہ ناشتہ کے وقت بازار میں گھومتا رہتا اور سب سے ارزاں قسم کا کھانا تلاش کرتا اور اس کی قیمت میں کمی کرنے پر اصرار کرتا تھا۔ ایک دن اس نے اپنے دفتر میں ایک لڑکے کو سینڈوچ خریدنے کے لیے بھیجا۔ لڑکا تین پنس کے بجائے چھ پنس خرچ کر آیا اس نے اسے ڈانٹا اور اس کی تنخواہ میں سے تین پنس کاٹ لیے اور کہا کہ اگر تو غریب نہ ہوتا تو میں تجھے نوکری سے جواب دے دیتا۔ اس کے دفتر کی یہ حالت تھی کہ دیواروں پر کبھی سفیدی نہیں ہوتی تھی وہ دفتر کے لیے پرانی میز اور کرسیاں خرید لیا کرتا تھا۔ ۱۸۸۴ء میں اسے دو لاکھ پونڈ کا خسارہ ہو گیا۔ اگرچہ وہ تین کروڑ پونڈ کا مالک تھا پھر بھی اسے اتنا صدمہ ہوا کہ اس نے ایک وقت کا کھانا چھوڑ دیا اور اس خسارے کو یوں پورا کرنے کی کوشش کی۔ وہ ایسے سوٹ میں مرا جسے وہ پچاس سال سے پہنے چلا آرہا تھا چونکہ وہ لاولد تھا اس لیے اس کی ساری کمائی سے ایک "رسل سیج فاؤنڈیشن" قائم کر دی گئی۔

بعض اوقات کوئی خاص صدمہ انسان کے اوضاع و اطوار پر بہت برا اثر ڈالتا ہے۔ رابرٹ آکنش ۲۰، ۲۲ برس کی عمر میں بڑا شوقین مزاج تھا، وہ ایک تاجر کا لڑکا تھا اور ایک حسینہ کے دام محبت میں گرفتار تھا۔ اس نے ایک مہ جبین کو شیشے میں اتارنے کے لیے لاکھ جتن کیے۔ مگر ناکام رہا۔ اس واقعہ سے اس کے دل کو ایسا صدمہ پہونچا کہ اس کی زندگی میں انقلاب آگیا خوش پوش نوجوان رابرٹ دفعتاً متاثر ہوا اور عمر بھر پرانے چیتھڑوں میں ملبوس رہا، اس نے اپنے تمام ذاتی ملازموں کو برطرف کر دیا اور بند جنگلے کے ایک تاریک کمرہ میں رہنے لگا۔ اس نے اس واقعہ کے بعد عمر بھر کوئی نیا سوٹ نہیں بنایا۔ باپ کی موت کے بعد باپ کے بہت سے کپڑے رہ گئے تھے۔ وہ یکے بعد دیگرے ان کو پہنتا رہا لیکن طریقہ یہ تھا کہ جب تک ایک سوٹ بالکل پھٹ نہ جاتا تھا۔ دوسرا صندوق میں سے نہیں نکالتا تھا۔ اس کی زندگی کا انحصار دودھ اور ایک روٹی کے ٹکڑے پر رہا۔ البتہ پھل اسے اپنے باغ سے مل جایا کرتے تھے۔ اس کے کمرے میں کوئی فرش نہیں تھا اور کھڑکیوں کی صفائی عمر بھر نہیں کی گئی تھی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک پادری اس سے ملنے آیا رات کا وقت تھا بات چیت کے دوران لیمپ کا تیل ختم ہو گیا۔ اس نے تیل منگوانے کے بجائے پادری سے کہہ دیا کہ اندھیرا ہماری بات چیت میں کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کر سکتا۔ یہ سنکر پادری صاحب ہنس دیے اور خدا حافظ کہہ کر چل دیے۔ یہ کہانی ... وہ ... میں مر گیا اس وقت اس کے پاس ۷۰ لاکھ پونڈ تھے۔ حکومت نے اس کے قریبی رشتہ داروں کی تلاش ٭

؂ کتاب البخلاء عرب کے مشہور ادیب جاحظ کی کتاب ہے جو بخیلوں کے واقعات اور لطائف پر مشتمل ہے۔

(وجیہ سمان رشام)

امریکہ میں
چاند کی مہم

(ترجمہ) سید ضیاء الحسن ندوی

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

خلائی تسخیر کی مہم آجکل ایک قطعی شکل اختیار کر چکی ہے اس سے پہلے بھی جو دنیا کی دو بڑی طاقتوں کی حریفانہ چشمک کا موضوع رہ چکی ہے۔ آج کل اربوں ڈالر ہر سال اس کی نذر ہو رہے ہیں یہ اس مہم کا ایک نیا رخ ہے۔ چھ سال قبل کسی کو اسکا اندازہ نہ تھا۔

چیلنج دراصل یہ مقابلہ ۱۹۵۵ء میں شروع ہوا جبکہ دنیا میں طبیعیات ارضی کا جشن منعقدہ (۵۷-۱۹۵۸ء) منانے کی تیاری ہو رہی تھی۔ اسی سال ماہ جولائی میں صدر آئزن ہاور نے اعلان کیا کہ "ارضی طبیعیات کا جشن میں پورے طور سے شرکت کے ساتھ ہی امریکہ نے آلات رصد سے لیس چھوٹے چھوٹے مصنوعی سیارے بھی خلا میں بھیجنے کا عزم کر لیا ہے تاکہ سائنسدانوں کو زمین اور اس کی فضا سے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے میں مدد مل سکے۔

صدر امریکہ کے اس اعلان کے چند دن بعد "کوپن ہیگن" میں فلک پیمائی کی سالانہ بین اقوامی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں اخباری نمائندوں نے روسی وفد کے لیڈر پروفیسر لیونڈ سیدوف سے پوچھا کہ آیا ارضی طبیعیاتی جشن کے موقعے پر روس بھی کوئی سیارہ بھیجنے کا ارادہ رکھتا ہے؟ اس پر انھوں نے صرف یہ جواب دیا کہ ہاں روس بھی اس موقعے پر مصنوعی سیارے چھوڑنے کا ارادہ رکھتا ہے؟ اور غالباً وہ امریکہ سے پہلے اس کی تیاریاں شروع کر چکا ہے، نیز روسی سیارے امریکی سیاروں سے بڑے ہوں گے۔

امریکہ میں ۵ اکتوبر ۱۹۵۷ء کی صبح جب نمودار ہو رہی تھی اس وقت اس کا دارالحکومت واشنگٹن طوفان باد و باراں کا سامنا کر رہا تھا سائن بورڈ ہوا میں اڑ رہے تھے اس کے ستون اور درخت اکھڑ کر زمین پر گرے تھے پوری فضا میں تیتیوں کے ٹڈی دل منڈلاتے پھرتے تھے۔ موسلا دھار بارش میں شہر تقریباً ڈوبا ہوا تھا۔ لیکن امریکی سائنسدانوں ماہروں اور لیڈروں کو ایک دوسرے ہی طوفان کی فکر لگی ہوئی تھی۔ یہ وہ طوفان تھا جسے امریکی عوام برپا کرنے جا رہے تھے ــــ ایسا اس لیے تھا کہ کچھ دن پہلے روس نے اپنا پہلا اسپوتنک مصنوعی چاند خلا میں پہنچا کر اس شکل تسخیر میں امریکہ سے بازی جیت لی تھی۔ امریکی صحافی اور سائنسداں پریس کی سطح پر اسے بہت پہلے شروع کر چکے تھے اور اس مفروضہ پر کہ اس مہم کو سب سے پہلے سر کرنے کا شرف امریکہ کو حاصل ہوگا نہ روس کو، اسے ایک معجزہ قرار دے رہے تھے۔

امریکی میگزین راہ کی سخت دشواریاں جنھیں دور کرنا ضروری تھا گنا رہے تھے۔ ناگاہ روس نے پالا مار لیا۔ اور امریکہ کی تکنیکی و سائنسی برتری کا آہنی عقیدہ زنگ آلود ہو کر رہ گیا۔

اس معاملے میں امریکہ کے پیچھے رہ جانے کے اسباب اب ظاہر ہو چکے ہیں۔ سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ آئزن ہاور کی حکومت اپنی محدود ذہنیت کی بنا پر خلائی تسخیر کو ضروری نہیں سمجھتی تھی۔ روس کا مصنوعی سیارہ بھی اس کے جذبات کو نہ ابھار سکا۔ امریکہ کے دوست یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ اس روسی چیلنج کو قبول کرے گا اور اپنے سارے مالی، سائنسی و تکنیکی وسائل اس کمی کو پورا کرنے میں لگا دے گا۔ لیکن ۱۹۶۰ء میں جب آئزن ہاور امریکی صدارت سے سبکدوش ہوئے تو خلائی تحقیقات کے میدان میں روسی و امریکی قافلوں کے درمیان مہینوں کے بجائے برسوں کا فاصلہ ہو گیا تھا اور چاند پر پہنچنے کا پرانا خواب روسی خواب بن چکا تھا۔

ایک مشہور فرانسیسی ادیب نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ "مغرب کو اس وقت صرف ایک برتری حاصل رہ گئی تھی وہ یہ کہ سفر چاند کی تکمیل کے متعلق روس کے مقابلہ میں مغرب پیشین گوئی کرتا تھا اور وہ "سائنسی افسانہ نگاری" میں انعام کا حقدار بھی ثابت ہوا۔

چیلنج قبول کر لیا گیا اس سلسلے میں قلب ماہیت کا کام کرنے اور پورے رخ کو بدل دینے کا سہرا یقیناً صدر کینیڈی کے سر ہے ان کے جسم میں جنگجویانہ آئرش خون رواں ہے، چنانچہ انھوں نے ہار نہیں مانی جبکہ سابقہ حکومت کے ذمہ دار بڑے منطقی اور فلسفیانہ تجزیہ کے بعد شکست تسلیم کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اس کے بجائے کینیڈی نے قوم کے سامنے ایک نشانہ مقرر کیا، جسے بہر حال پورا کرنا تھا نشانہ یہ ہے کہ ۱۹۷۰ء سے پہلے پہلے ایک امریکی ٹیم چاند پر اتار دی جائے شروع میں تو یہ بات بہت مبالغہ آمیز معلوم ہوتی تھی لیکن بعد میں ایک معقول امکان بن گیا۔

امریکیوں کا خیال ہے کہ مرکزی منصوبہ جس کی بنیاد ایک آدمی کو خلا میں بھیجنے کی کوششوں پر تھی۔ گزشتہ مئی میں گارڈن کوپر کے خلائی سفر کے بعد قریب قریب پورا ہو چکا ہے۔ اس کے فوراً بعد اس کی جگہ غالباً جیمنی منصوبہ لے گا جو دو خلائی مسافروں پر مشتمل ایک کرہ کو مدار میں پہنچا کر پورا ہوگا۔ اس منصوبہ کے آخری حصہ میں بیرونی خلا کے اندر خلائی کشتی کے حصول کا جوڑنا بھی شامل ہے۔ اس منصوبہ کے خاتمے کے بعد اپالو منصوبہ کی تکمیل کا کام شروع ہوگا۔ جو چاند کے سفر کا عملی منصوبہ ہے۔ اس کے تحت ایک انسان بردار خلائی کشتی تین افراد کو لے کر چاند کے گرد گردش کرے گی۔ پھر اس میں سے دو افراد ایک چھوٹے کیپسول میں بیٹھ کر اس سے علاحدہ ہو جائیں گے اور وہی چاند پر اتریں گے۔ وہاں ایک مقررہ وقت تک ٹھہرنے کے بعد اپنی کشتی میں واپس آجائیں گے۔ جو انھیں زمین تک لے آئے گی۔

اس طرح امریکہ خلائی تسخیر کے پروگرام میں اپنے مقررہ نشانہ کا موجودہ مرحلہ پورا کرے گا۔ (باقی)

منطق اور طوفان

ایک موقع پر کالج کے کچھ لڑکے سیر و تفریح کے لیے نکلے ٹہلتے ٹہلتے دریا کے کنارے پہونچ گئے اور یہ طے ہوا کہ آج دریا کی سیر کی جائے کشتی سامنے ہی لگی تھی سب اس پر چڑھ گئے کشتی روانہ ہوئی اور طلبہ نے سوچا کہ آج اس ملاح کو کچھ چھیڑا جائے ایک لڑکے نے ملاح سے پوچھا کہ بھئی آج اچھا ساتھ ہو گیا ذرا یہ تو بتانا کہ تم نے منطق (منطق) پڑھی ہے؟ غریب ملاح نے کہا کہ ہم اس کا نام بھی نہیں جانتے، دوسرے لڑکے نے کہا اچھا (PHYSICS) طبیعیات تو پڑھی ہی ہوگی؟ اس نے اس سے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ تیسرے لڑکے نے ہنستے ہوئے پوچھا (CHEMISTRY) تو تم نے بیچارے پڑھی ہوگی اس نے پھر سر ہلا دیا۔ ایک آدھ چیز کا اور پوچھ کر سب ہنسنے لگے اور ایک لڑکے نے کہا کہ تم نے تو اپنی آدھی عمر ڈبو دی

بیچارہ ملاح کیا بولتا، خاموش ہو گیا۔

کشتی بیچ دھارے میں پہونچ چکی تھی اور تیز لہروں سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب ڈوبی اور تب ڈوبی، لڑکے انتہائی پریشانی اور بے کسی کے عالم میں ملتجیانہ نظروں سے ملاح کو دیکھنے لگے۔ ملاح نے اس لڑکے سے جو مذاق میں سب سے زیادہ پیش پیش تھا پوچھا کہ میاں صاحبزادہ تم نے پیرنا بھی سیکھا ہے۔ لڑکے نے کہا پیرنا تو نہیں سیکھا، ملاح نے کہا کہ پھر تو تم نے اپنی پوری عمر ڈبو دی!

بقیہ ص ۱۲ سے آگے

تحقیق کرے۔ اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو کہ شوہر باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا ہے تو شوہر سے کہا جائے کہ تم حقوق ادا کرو یا پھر طلاق دے دو۔ اگر تم ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں اختیار کرو گے تو ہم تفریق کر دیں گے۔ اگر شوہر اس پر بھی راضی نہ ہو اور عورت کی شکایت رفع نہ ہو تو تفریق کر دی جائے۔

(باقی آئندہ)

شعبہ
تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

لکھنؤ

مجلسِ تحقیقات و نشریاتِ اسلام

ندوۃ العلماء — لکھنؤ

مقاصد

(۱) مختلف زبانوں میں ایسے پُر مغز اور صالح لٹریچر کی تیاری
● جو اسلام کی مؤثر و طاقتور نمائندگی کرے۔
● ایمان و یقین کی بنیادیں ذہن و دماغ میں از سر نو استوار کرے۔
● اس ذہنی و فکری بے چینی و انتشار کو رفع کرے جو مغرب کی مادہ پرست تہذیب و ادب نے عالمگیر پیمانے پر پیدا کر دیا ہے۔
(۲) ● اس نئے ارتداد کا مقابلہ کرے جو طوفان اور سیلاب کی طرح تمام عالم میں پھیل گیا ہے۔